
کتنی دیر چراغ جلا
باقی صدیقی مرحو

کتنی دیر چراغ جلا

باقی صدیقی

ناشر ——— رشید نثار

تعداد ——— ایک ہزار

طابع ——— خورشید پرنٹرز، اسلام آباد

ناشر ـــــــــ رشید نثار

تعداد ـــــــــ ایک ہزار

طابع ـــــــــ خورشید پرنٹرز، اسلام آباد

باقر صدیقی کی ہمشیرہ

محترمہ اصغری خانم

کے نام

کتنی دیر چراغ جلا

راولپنڈی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کی زمین ہموار نہیں اور یہاں ادب کی آبیاری نہیں ہو سکتی۔ لیکن باقیؔ صدیقی نے پنڈی کے ہم عصر شعرا کی طرح یہ ثابت کیا ہے کہ زمین ہموار پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ سچائی سیدھی سادی نہیں بلکہ مُڑی ہوئی ہے۔ اس حقیقت کے تناظر میں باقیؔ نے اپنے کلام میں کوئی حدِ فاصل قائم نہیں رکھی۔ اسی لئے اُس نے اپنی شاعری ایک ہی بحر کے دائرے میں قید رکھی۔ اور بیشتر شاعری براہِ راست عوامی زندگی کے استفادے کے لئے تخلیق کی۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ پنڈی کی شاعری ڈرائنگ روم سے باہر نکل کر کھلیانوں اور کھیتوں میں آگئی اور باقیؔ کی افادیت دوسرے شہروں میں بھی تسلیم کی گئی۔ باقیؔ اپنی زندگی میں دُکھ سہتا رہا، شعر کہتا اور ایک بے ریا انسان کی طرح دُکھ سہہ کر آتش فشاں بنتا گیا۔ باقیؔ نے ذہنی تصویروں کے ذریعے سے نہیں سوچا بلکہ اس کی شاعری حواسِ خمسہ کے ذریعے ظاہر ہوئی ہے لہٰذا اُس کی شاعری میں ایک دُنیا جیتی جاگتی ہے اور اس کی تمام تر شاعری قبولیّت کے لئے ہے بلکہ وہ عقلیت کا شکار نہ ہو کر مادی کائنات کے حقائق کو قبول کرنے میں تامّل نہیں کرتا اور بچوّں کی سادگی اور چیزوں کو براہِ راست دیکھنے پر ضد کرتا ہے۔ اس طرح باقیؔ صدیقی نے پختہ تہذیب یافتہ ذہن کی پیچیدگی اور بچوّں کے ذہن کی سادگی کو شعر کے ذریعے پیش کیا ہے۔

باقیؔ صدیقی کی زندگی میں اُس کے کرب و نشاط کی باتیں بڑے دھڑلّے سے کی جاتی تھیں بلکہ اُس کی تلخی کو بھی ایک آدرش سمجھ کر قبول کیا جاتا تھا مگر اس کی وفات کے بعد باقی کو طاقِ نسیاں پر رکھ دیا گیا جس سے ایک دلیر شاعر نظر انداز ہو گیا۔ یہ صورتِ حال

ہمارے لئے ناقابلِ قبول تھی۔ اس لئے ادبی تحریک نے باقیؔ کے بقیہ کلام کی اشاعت کا ذمہ لیا۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے ایک کمیٹی تشکیل کی گئی جس میں مندرجہ ذیل اصحاب شامل تھے

افضل پرویز۔ جمیل ملک ۔ محبوب اختر۔ رشید نثار

ان اصحاب نے باقیؔ کے پُرانے مجموعہ ہائے کلام دار و رسن ، زخمِ بہار ، بارِ سفر سے غزلیں انتخاب کی ہیں اور مجموعے کا نام تجویز کیا ہے۔ اس مجموعے میں باقی کی غیر مطبوعہ غزلیں بھی شامل ہیں جسے مرحوم اپنی زندگی میں ترتیب دے گئے تھے۔ چنانچہ باقیؔ کا منتخب کلام اہلِ نظر کی خدمت میں پیش ہے۔ ہم اس ضمن میں باقیؔ کے مخلص دوستوں عزیز ملک ، محبوب اختر، افضل پرویز اور جمیل ملک کے ممنون ہیں جنہوں نے اس کتاب کی تدوین میں ہمیں اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ ہمیں اہلِ نظر کے مشوروں کی بھی ضرورت ہے۔ اُمید ہے اہلِ نظر ہمیں مستفید فرماتے رہیں گے۔

ہم باقیؔ کی بزرگ ہمشیرہ محترمہ اصغری خانم کے بھی ممنون ہیں جنہوں نے اپنے بھائی کا کلام ہمیں عنایت کیا۔ یہ کتاب محترمہ اصغری خانم کے نام معنون ہے۔

کتاب کا سرورق باقیؔ کے ہم عصر شاعر ڈاکٹر فضل الرحمٰن اشکؔ کی دُختر ناہید وقار کے مُو قلم کا شاہکار ہے۔ اس ضمن میں ہم محبوب اختر کے ممنون ہیں جنہوں نے اپنی بھتیجی سے یہ شاہکار بنوایا۔ محترمہ ناہید وقار کراچی کی ممتاز فنکارہ ہیں۔

رشید نثارؔ

بشیر سیفیؔ

ادبی تحریک ، راولپنڈی

باقیؔ صدیقی

باقیؔ کی انفرادیت، اُس کی سادگی اور سچائی دُکھی انسانیت کے درد کو بانٹنے کے بے پناہ احساس میں سموئی ہوئی ہے۔ دیہات کے سادہ اور معصوم ماحول نے باقیؔ کو حق بات کہنے میں جُرأت اور بے باکی بخشی ہے۔ اس لحاظ سے باقیؔ اپنے دَور کے ہم عصر شعراء کے مقابلے پر ایک منفرد اور ممتاز مقام رکھتا ہے۔

ہماری اُردو غزل میں تصنّع اور بناوٹ ایک لازمی عنصر کا درجہ رکھتے ہیں۔ مگر باقیؔ نے اُردو غزل کو حقیقت کی تلخی اور سچائی بخشی ہے جس سے باقیؔ کے فطری اجتہاد کی نشان دہی ہوتی ہے۔

شام و سحر کے رنگ نمایاں نہیں رہے — یا ہم شریک دیدۂ حیراں نہیں رہے

کیوں گریزاں ہیں منزلیں ہم سے — نہ چلے ہم کہ رہنما نہ چلا

باقیؔ نے غزل کو سادگی اور گفتگو کا نیا مزاج بخشا ہے۔ اُسے بے ساختہ بات کہنے کا شعور تھا اور وہ بڑے سلیقے سے پیچیدہ مسائل کو سادہ الفاظ میں بیان کرنے کا وصف رکھتا تھا۔

نقّادوں نے باقیؔ کو مجرمانہ طور پر نظر انداز کئے رکھا۔ لیکن باقیؔ کا سفر ایک پہاڑی ندّی کے بہاؤ کی طرح تھا۔ جو فرازِ کوہ سے اُتر کر ایک دریا کا رُوپ دھار لیتی ہے بلکہ سمندر بن کر زندگی کو سیراب کرتی رہتی ہے۔ چنانچہ باقیؔ اس سفر میں تنہا طور پر رواں دواں رہا اور ادب کے دبستانوں میں نئے پھُول کھلا کر تازگی اور رعنائی کو زندہ رکھتا رہا۔

باقیؔ سادہ اور معصوم تو تھا ہی مگر اس کی دوسری خصوصیت اُس کی زخمی انا تھی۔

یہ انا اس کی ذات کے گرد ہالہ کئے ہوئے تھی۔ لہٰذا باقیؔ اپنی انا کے دائرے سے باہر بہت کم آیا بلکہ اپنی انا کے تحفظ کے لئے وہ تمام عمر زندگی، وقت اور معاشرے کے ساتھ جنگ کرتا رہا۔

پھولوں کو شرار کہنے والو — کانٹوں پہ بھی لوگ چل رہے ہیں
لالہ و گُل کی تمنّا کیسی — ایک کانٹے کے روا دار نہیں
کِس نے کھینچی حیات کی تصویر — ہاتھ میں جام پاؤں میں زنجیر
اِتنے باریک تھے نقوشِ حیات — بنتے بنتے بگڑ گئی تصویر
وہ زمانے کی چال تھی باقیؔ — ہم سمجھتے رہے جسے تقدیر

باقیؔ غالب کی طرح تلخیٔ ایام، دوستوں کی بے اعتنائی اور زمانے کی ناقدر شناسی کا شکار رہا۔ وہ بے حد حساس اور محبّت بھرا دل رکھتا تھا۔ اس لئے وہ اپنے ماحول معاشرے سے خلوص کے موتیوں کا طلب گار تھا۔ مگر جس طرح وہ شاہانہ فراخ دلی کے ساتھ اپنے گرد و پیش میں خلوص اور محبّت کے موتی بکھیرتا رہا اس کے برعکس اُسے دُکھ، بے مروّتی ملی لہٰذا وہ خون کے آنسو روتا رہا۔ اور وقت کی کتاب کا سچّا مبصّر بن کر اہلِ بصیرت کو متوجہ کرتا رہا۔

ان کا یا اپنا تماشا دیکھو — جو دکھاتا ہے زمانہ دیکھو
وقت کے پاس ہیں کچھ تصویریں — کوئی ڈوبا ہے کہ اُبھرا دیکھو
دوستی خونِ جگر چاہتی ہے — کام مشکل ہے تو رستا دیکھو

ڈر کے حالات سے دامن کو بچانے والے — ہم ترے واسطے مقتل میں تھے جانے والے
وقت کے سامنے تصویر بنے بیٹھے ہیں — آئینہ گردشِ دوراں کو دکھانے والے
خندۂ گُل کی حقیقت پہ کبھی ایک نظر — اے بہاروں کی طرح راہ میں آنے والے

باقیؔ جس عہد میں زندہ تھا اس میں بے شمار انقلابات آئے جس سے معاشرہ ناہموار ہو گیا اور باقیؔ نہ ومان، غنایت اور شہر در شہر زندگی کی سیر کر کے اپنی ذات میں سمٹ گیا۔ اُس کی وجہ شاید یہ بھی کہ بھرپور جوانی میں باقیؔ محبت سے محروم رہا۔ یہ محرومی انسان کے اندر انتقامی جذبات بھڑکا کر اُسے نیم دیوانہ بنا دیتی ہے اور یوں اس کی تمام تر تخلیقی قوتیں سلب ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ وسیع الظرف انسان اگر اندرونی بصیرت کے وصف سے محروم نہیں تو وہ غموں کے اتھاہ سمندر میں اُتر کر ابدی زندگی کا عرفان حاصل کر لیتا ہے۔ اس تناظر میں باقیؔ باشعور فنکار ہے جس نے زخموں کے انبار میں جی کر بھی حوصلہ نہیں ہارا بلکہ دُنیا کی بے ثباتی، بے حسی، ظلم اور انسانی بے بسی کے باوصف وہ کائنات کے غم کو اپنی ذات میں ڈھال کر ایک نیا رویّہ لے کر اُفقِ ادب پر اُبھرتا ہے:

رہتے ہیں تصور سے بھی اب دُور کہیں لوگ
پہلے سے نہیں ہم کہ وہ پہلے سے نہیں لوگ

مُنہ کھولے ہوئے بیٹھے ہیں کشکول کی صورت
یاقوت گراں مایہ سے تا نانِ جویں لوگ

ملتا ہے جہاں کوئی چمکتا ہوا ذرّہ
رُکتے ہیں وہیں لوگ، بھٹکتے ہیں وہیں لوگ

باقیؔ کا نیا رویّہ غزل کے روائتی مزاج سے ہٹ کر ایک تقابلی مطالعہ پیش کرتا ہے جس سے معاشرے کا بے لباس کردار سامنے آجاتا ہے:

ہمہ تن عرضِ حال ہیں ہم لوگ
اِک مجسّم سوال ہیں ہم لوگ

چارہ سازوں کے سرد ماتھے پر
عرقِ انفعال ہیں ہم لوگ

وقت کا فیصلہ ہے چارہ گرو
زخم تم اندمال ہیں ہم لوگ

انسانی کرب اور مظلومیت کا عہد آج اذیت ناک صورت اختیار کر کے نصف دنیا پر محیط ہے۔ جس سے ادب، شعر اور سیاست میں تلخی اور قوت مدافعت فروغ پا رہی ہے لیکن باقیؔ نے انسانی کرب کو اپنی ذات کے وسیلے سے پیش کیا ہے۔

جس سے اجتماعی لاشعور کا عہد اُجاگر ہوتا ہے۔ لہٰذا باقیؔ اپنے عہد کا نباض اور سچّا عکاس تھا۔ باقیؔ نفسیاتی طور پر بڑے اچھے ذہن کا مالک تھا۔ اُس کا بچپن اور شباب دونوں دیہات میں بسر ہوئے۔ مگر جب وہ شہر کے زنداں میں داخل ہوا تو اُس کی معصومیّت گھبرا گئی۔ لہٰذا وہ زندگی کے دوراہے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ زندگی کا یہ دوراہا اُس کے پاؤں کی زنجیر بن کر مدّتوں اس کے سفر میں حائل رہا۔ چنانچہ وہ پنجاب کا گبھرو بن کر بمبئی جیسے کمرشل شہر میں چلا گیا جہاں اُس نے چکاچوند زندگی کھُلی آنکھوں سے دیکھی مگر یہ روشنی اس کی معصومیّت کو مجروح کر گئی۔ اور وہ گھُٹن اور مایوسی کے ماحول سے نکل کر واپس راولپنڈی آ گیا۔ اس طرح اُس نے اپنے فنکار کو بچا لیا بلکہ اپنے وژن کو وسیع کر کے واپس آیا تو یہ سفر اس کے فن کی مراجعت تھی۔ یہیں سے اُس نے آفاقی اقدار کا شعور حاصل کیا اور ادب کے نئے ذائقے سے واقف ہوا۔ بلکہ اُس نے اپنی ذات کی گھاٹی کو عبور کر کے اس گیان کو حاصل کر لیا جو بن باس کے بعد انسان کو از خود حاصل ہو جاتا ہے۔ اُس کے عرفان کی چند مثالیں دیکھئے:-

تُو نے کیا کر دیا ہے کام اب میرے سپرد
رات بھر آوارہ قدموں کی صدا سُنتا رہوں

اے بادِ سحر نہ چھیڑ ہم کو — ہم جاگے ہوئے ہیں رات بھر کے
پھر بجھی شمع جلا دی ہم نے — جانے کیا وقتِ سحر یاد آیا
صبح کی فکر میں رہنے والے — رات کرتے ہیں بسر آنکھوں میں
ضَو صبح کی چھو رہی ہے دل کو — ہر چند کہ رات درمیاں ہے
اِک کرن اس طرف سے گزری ہے — ہو رہی ہے کہیں سحر باقیؔ

باقیؔ کے عرفانِ ذات نے اُسے ایک قلندر بنا دیا تھا۔ جس کے لہجے میں جھنجلاہٹ تلخی اور بے نیازی آ گئی تھی بلکہ وہ قلندر بن کر معاشرے پر طنز کرنے اور جھُوٹے

ور کے خلاف بات کرنے کا حوصلہ رکھتا تھا۔ چنانچہ باقی آج کے عہد میں غیرت
ی انسانیت اور سفر کی ایک زندہ علامت ہے جسے رہتی دنیا تک بھلایا نہ
سکے گا۔ یاد رہے باقی پاکستان کی تقسیم کو برداشت نہ کر سکا تھا لہٰذا وہ غیرت مند
ان کی طرح پاکستان پر اپنی جانِ عزیز نچھاور کر کے ۸ر فروری ۱۹۷۱ء کو دوسری
ا میں چلا گیا۔

کیا کیا تھے اصول زندگی کے — مشکل نہ پڑی تھی کوئی جب تک
کیوں زیست کے منتظر ہو باقی — آتا نہیں یہ پیام سب تک

روری ۱۹۷۷ء — محبوب اختر راولپنڈی

ہوش آیا تو تاریکی میں تھے باقیؔ
کتنی دیر چراغ جلا معلوم نہیں

○

تُو نے رحمت کی جب نظر کی
سر سے تاریک رات سر کی

غم کی گہرائیوں میں دِل کو
چھُونے لگی روشنی سحر کی

بس ہو گا وہی جو تُو کرے گا
اس میں ہے مجال کیا بشر کی

تیرے جلوؤں نے شکل بدلی
تاروں کی پھُول کی گہر کی

کیا دِل کو سکون آگیا ہے
یہ بھی اِک شکل ہے ثمر کی

یاد آیا چمن کا گوشہ گوشہ
جب بات چلی شکستہ پر کی

آ جاتا ہے ذِکر کُچھ تمہارا
ہو بات کلی کی یا گُہر کی

روئے ہر شاخ سے لپٹ کر
یہ بھی صورت ہے اِک ثمر کی

پہچان سکے نہ خود کو باقیؔ
بیٹھی جب گرد رہگُزر کی

○

دِل ترے غم کی کہانی مانگے
پیرِ صد سالہ جوانی مانگے

مَیں کہاں ہُوں کہ ترا غم مجھ سے
میرے ہونے کی نشانی مانگے

دلِ تشنہ کا مداوا معلوم
آگ مانگے کبھی پانی مانگے

کون سے شہر میں جا کر رہیئے
دِل تو ہر چیز پُرانی مانگے

دِل کو آزار سا آزار لگا
غم کہانی سی کہانی مانگے

کوئی دریا میں سکُوں ڈھونڈتا ہے
کوئی ساحل سے روانی مانگے

آ گئے غم میں کدھر ہم باقیؔ
درد سا لفظ معانی مانگے

دِل اُلجھتا ہے ابھی دیدۂ بیدار کے ساتھ
ایک تصویر لگی ہے ابھی دیوار کے ساتھ

صرف رُوداد چمن ہو تو کوئی بات نہیں
زیرِ بحث آپ بھی آتے ہیں گُل و خار کے ساتھ

اپنے زخموں کو پڑے چاٹ رہے ہیں گھر میں
بات کرتے تھے زمانے سے جو تلوار کے ساتھ

پیاس کو مے کی طرح جھوم کے پی جاتا ہے
اس طرح جاتا ہے دریا ترے میخوار کے ساتھ

رنگ در رنگ ہیں اوہام کے پردے باقی
فاصلے بڑھتے گئے کوچہ و بازار کے ساتھ

○

ہر نظر میں عکسِ دوراں دیکھ لو
کون ہے کتنا پریشاں دیکھ لو

کتنے رنگوں سے ہے دُنیا کا وجود
کتنے پردوں میں ہے عُریاں دیکھ لو

سلسلہ در سلسلہ ہے بندِ غم
توڑ کر دیوارِ زنداں دیکھ لو

سنگریزوں سے ہے دُنیا آشنا
مانگ کر لعلِ بدخشاں دیکھ لو

کل نہ تھی جن پر زمانے کی نظر
آج وہ شعلے نمایاں دیکھ لو

کس قدر آباد ہے شہرِ حیات
اور دل ہیں کتنے ویراں دیکھ لو

سنگ بھی آتے ہیں ہر گالی کے ساتھ
یہ بھی اندازِ بہاراں دیکھ لو

کس طرح پیتے ہیں ہم زہرِ حیات
دیکھ کر تم ظرفِ رندان دیکھ لو

لوگ کب ہر شخص کی کرتے ہیں بات
کر کے رسوائی کا ساماں دیکھ لو

بات کی تہہ تک نہ جا سکتے جاؤ تم
داستاں کا صرف عنواں دیکھ لو

○

باتیں تو سُنو، ذوقِ خریدار تو دیکھو
دو چار گھڑی رونقِ بازار تو دیکھو

تم دُھوپ سے گھبرا کے کہاں بیٹھ گئے ہو
سایہ کہیں ڈھونڈو کوئی دیوار تو دیکھو

طُوفاں کا ہم پر تو اثر کچھ نہیں لیکن
راہوں میں یہ ٹُوٹے ہوئے اشجار تو دیکھو

مقتل سے گزرنے لگی کیا راہِ ہوس بھی
ہر لب پہ یہ ذکرِ رسن و دار تو دیکھو

توقیرِ نفس کی کوئی آواز نہیں کیا
گردن سے یہ لپٹی ہوئی دستار تو دیکھو

ہر بات پہ لے بیٹھتے ہیں اپنا فسانہ
یہ دوست یہ ہمدرد یہ غم خوار تو دیکھو

یہ موجِ تبسّم میں کسک درد کی باقی
یہ سلسلۂ رنگِ گُل و خار تو دیکھو

○

دشتِ حالات کے چھانے ہیں بہت
ہم نے دعوے تیرے مانے ہیں بہت

کہیں تم دیکھ ہی لو گے خود کو
راہ میں آئینہ خانے ہیں بہت

تیرا اندازِ نظر کہتا ہے
ہمیں دھوکے ابھی کھانے ہیں بہت

دِل ابھی اور بھی ویراں ہوں گے
شہر ابھی اور بسانے ہیں بہت

ذکرِ دشواریٔ منزل ہی کیا
نہ چلیں ہم تو بہانے ہیں بہت

دلِ بے تاب لئے پھرتا ہے
ورنہ اپنے تو ٹھکانے ہیں بہت

جا نہ ویرانیٔ دِل پر جاتی
اسی صحرا میں خزانے ہیں بہت

○

کیوں بہ اندازِ تمنّا سوچیں
کچھ نہ ہاتھ آئے گا جتنا سوچیں

دل ٹھہرتا ہی نہیں سینے میں
ایسے عالم میں بھلا کیا سوچیں

اک سلگتا ہوا صحرا احساس
ایک بہتا ہوا دریا سوچیں

دیدۂ تر کی تمنّا خوابیں
قلبِ مضطر کا تقاضا سوچیں

چھا گیا زیست پہ حالات کا رنگ
بن گیا عکس جہاں کا سوچیں

کیوں نہ لہرائیں بگولا بن کر
بیٹھ کر کیا سرِ صحرا سوچیں

ہو چکا اُن سے تقاضا باقی
آؤ اب بیٹھ کے تنہا سوچیں

○

سر پہ کچھ پھول سجا لوں تو چلوں
مَیں کوئی رُوپ بنا لوں تو چلوں

شہر میں آج چراغاں ہی سہی
داغِ دل اپنے چھپا لوں تو چلوں

حادثے دم نہیں لینے دیتے
میں ذرا ہوش میں آلوں تو چلوں

لوگ رونے کا سبب پوچھیں گے
مَیں کوئی بات بنا لوں تو چلوں

جانے کیا رنگِ تمنّا ہو گا
شمعِ احساس بجھا لوں تو چلوں

ہے ابھی مجھ پہ زمانے کی نظر
آخری تیر بھی کھا لوں تو چلوں

ابھی کچھ یاد ہے اپنی باقی
راہ سے خود کو ہٹا لوں تو چلوں

○

ترے دیار میں مجھ سا گناہگار بھی ہو
میں چاہتا ہوں مگر فضل کردگار بھی ہو

صبا کے قافلے رُکتے نہیں کہیں لیکن
ترے دیار سے آگے کوئی بہار بھی ہو

اسی لیے کھُلتا ہے دنیا میں جوہرِ انساں
کہ اختیار نہ ہو اور اختیار بھی ہو

دِل ایک ایسا ہے گرداب بحرِ ہستی میں
یہیں ہو غرق سفینہ یہیں سے پار بھی ہو

یہی ہے زیست یہی رازِ زیست ہے باقیؔ
کہ آشکار نہ ہو اور آشکار بھی ہو

○

قافلے شہرِ دل و جاں کی طرف جانے لگے
سلسلے ہم کو غمِ دُنیا کے یاد آنے لگے

اس طرح کچھ تیرے جلوے سامنے آنے لگے
راہ کے پتھّر بھی ہم کو آئینہ خانے لگے

ایک ساقی کی نظر تھی سینکڑوں غم کا علاج
رند میخانے سے جب نِکلے تو گھبرانے لگے

اور ہی انداز ہوتے ہیں دلِ بیدار کے
ہوش میں جس وقت ہم آئے تو دیوانے لگے

اس طرح دِل کو سہارا تیری رحمت نے دیا
زندگی کے رنج و غم لوگوں کے افسانے لگے

سوزِ دل کا عکس تھا یا چشمِ حسرت کا فریب
شمع تک جتنے بھی پہنچے ہم کو پروانے لگے

وقت کا احساس باقی ہے دِل سے جب مِٹنے لگا
دوسروں کو مجرم اپنے غم کا ٹھہرانے لگے

○

صبح میں شام کے آثار بھی ہیں
حادثے کچھ پسِ دیوار بھی ہیں

راس آتی نہیں تنہائی بھی
اور ہر شخص سے بیزار بھی ہیں

آزمائش سے بھی جاں جاتی ہے
اور ہم تیرے طلب گار بھی ہیں

پہلے اک دل پہ نظر تھی باقی
سامنے اب کئی بازار بھی ہیں

○

شام و سحر کے رنگ نمایاں نہیں رہے
یا ہم شریکِ دیدۂ حیراں نہیں رہے

پانی کی موج بن گیا انساں کا ہر لباس
عُریاں ہوئے ہم اتنے کہ عُریاں نہیں رہے

کیوں لفظ بے صدا ہوئے، کیوں حرف بُجھ گئے
کیا ہم کسی فسانے کا عنواں نہیں رہے

جاؔلبی قدم قدم پہ لہُو مانگتے ہیں لوگ
اب مرحلے حیات کے آساں نہیں رہے

○

اپنی تنہائی پہ مرجانا پڑا
راہ میں کیسا یہ ویرانہ پڑا

کس طرف سے آئی تھی تیری صدا
ہر طرف تکنا پڑا، جانا پڑا

زندگی ہے شورشیں ہی شورشیں
خود کو اکثر ڈھونڈ کر لانا پڑا

تیری رحمت سے ہوئے سب میرے کام
شکر ہے دامن نہ پھیلانا پڑا

کوئی دِل کی بات کیا کہنے لگے
اپنا اِک اِک لفظ دُہرانا پڑا

راستے میں اس قدر تھے حادثات
ہر قدم پر دِل کو سمجھانا پڑا

زندگی جیسے اسی کا نام ہے
اس طرح دھوکا کبھی کھانا پڑا

ہے کلی بے تاب کھلنے کے لئے
اور اگر کھلتے ہی مُرجھانا پڑا

زندگی کا راز پانے کے لئے
زندگی کی راہ میں آنا پڑا

راستے سے اس قدر تھے بے خبر
مِل گیا جو اُس کو ٹھہرانا پڑا

دوستوں کی بے رُخی باقی نہ پُوچھ
دُشمنوں میں دِل کو بہلانا پڑا

کیوں میں تیری دُہائی دینے لگا
شہر کیسا دکھائی دینے لگا

لَو غمِ آشنائی دینے لگا
میں جہاں کو دکھائی دینے لگا

اے خیالِ ہجومِ ہم سفراں
تُو بھی داغِ جُدائی دینے لگا

کون اندر سے اُٹھ گیا باقیؔ
شور دِل کا سُنائی دینے لگا

○

دِل کا یا جی کا زیاں کرنا پڑے
کچھ نہ کچھ نذرِ جہاں کرنا پڑے

دِل کو ہے پھر چند کانٹوں کی تلاش
پھر نہ سیرِ گُلستاں کرنا پڑے

حالِ دل اُن کو بتانے کے لئے
ایک عالم سے بیاں کرنا پڑے

پاسِ دُنیا میں ہے اپنی بھی شکست
اور تجھے بھی بدگماں کرنا پڑے

ہوشیار اے جذبِ دل اب کیا خبر
تذکرہ کِس کا کہاں کرنا پڑے

اب تو ہر اِک مہرباں کی بات پر
ذکرِ دورِ آسماں کرنا پڑے

زیست کی مجبوریاں باقیؔ نہ پُوچھ
ہر نفس کو داستاں کرنا پڑے

○

منزل کی خبر نہ رہگذر کی
کیسی صورت ہے یہ سفر کی

بوجھل پلکیں ، اُداس نظریں
فریاد ہے میری چشمِ تر کی

اندر سے ٹُوٹتے رہے ہیں
باہر سے زندگی بسر کی

دِل کے قصّے میں کیا رکھا ہے
باتیں ہیں کچھ اِدھر اُدھر کی

مَیں رات اُداس ہو گیا تھا
اِتنی تھی روشنی قمر کی

کچھ ہم میں نہیں بیاں کی طاقت
کچھ وقت نے بات مختصر کی

اندر کچھ اور داستاں ہے
سُرخی کچھ اور ہے خبر کی

○

ڈر کے حالات سے دامن کو بچانے والے
ہم ترے واسطے مقتل میں تھے جانے والے

خندۂ گُل کی حقیقت پہ کبھی ایک نظر
اے بہاروں کی طرح راہ میں آنے والے

وقت کے سامنے تصویر بنے بیٹھے ہیں
آئنہ گردشِ دوراں کو دِکھانے والے

ختم ہنگامہ ہُوا جب تو کھڑا سوچتا ہوں
آپ ہی چور نہ ہوں شور مچانے والے

غیر کے وصف کو بھی عیب کریں گے ثابت
تنگ دِل اِتنے کبھی تھے نہ زمانے والے

کوئی بات آ گئی کیا اُن کی سمجھ میں باقیؔ
کِس لئے چُپ ہیں ہنسی میری اُڑانے والے

○

آ گیا ہر رنگ اپنا سامنے
کارواں اِک آ کے ٹھہرا سامنے

کہہ نہیں سکتے محبّت میں سراب
دیر سے ہے ایک دریا سامنے

کٹ رہا ہے رشتۂ قلب و نظر
ہو رہا ہے اِک تماشا سامنے

دِل ہے کُچھ نا آشنا، کُچھ آشنا
تُو ہے یا اک شخص تجھ سا سامنے

فاصلہ در فاصلہ ہے زندگی
سامنے ہم ہیں نہ دُنیا سامنے

کِس نے دیکھا ہے لہو کا آئینہ
آدمی پردے میں سایا سامنے

اپنے غم کے ساتھ باقؔی چل دیے
ہے سفر شام و سحر کا سامنے

لے گیا بچا کر وہ دل کے ساتھ سر اپنا
جس نے تیرے ایما پر طے کیا سفر اپنا

آئینے میں ہر صورت آئینہ نہیں ہوتی
مسکرا دیئے ہم بھی عکس دیکھ کر اپنا

زندگی کے ہنگامے دھڑکنوں میں ڈھلتے ہیں
خواب میں بھی سنتے ہیں شور رات بھر اپنا

دل کے ہر دریچے میں جھانکتے ہیں کچھ چہرے
خود کو راہ میں پایا رخ کیا جدھر اپنا

دن کس سے الجھا ہے، ایک شور برپا ہے
جا رہا ہے دیکھو تو قافلہ کدھر اپنا

خیر ہو ترے غم کی شام ہونے والی ہے
اور کر لیا ہم نے ایک دن بسر اپنا

رنگِ زندگی دیکھا کچھ یہاں وہاں جا کے
غم غلط کیا ہم نے کچھ اِدھر اُدھر اپنا

○

دِل قتیلِ ادا تھا پہلے بھی
کوئی ہم سے خفا تھا پہلے بھی

ہم تو ہر دَور کے مسافر ہیں
ظُلم ہم پر روا تھا پہلے بھی

دِل کے صحراؤں کو بسائے کوئی
شہر تو اِک بلا تھا پہلے بھی

وقت کا کوئی اعتبار نہیں
ہم نے تُم سے کہا تھا پہلے بھی

ہر سہارا پہاڑ کی صورت
اپنے سر پر گرا تھا پہلے بھی

دِل کو باتوں سے ناپتے ہیں لوگ
ذکر اپنا چلا تھا پہلے بھی

آپ ہی آپ سامنے تھے ہم
ایک پردہ اُٹھا تھا پہلے بھی

○

منزلِ دل کی جستجو معلوم
دُور اِک قافلہ تھا پہلے بھی

کس نے دیکھا ہے غم کا آئینہ
دل تماشا بنا تھا پہلے بھی

یہی رنگِ چمن کی باتیں تھیں
یہی شورِ صبا تھا پہلے بھی

پھول مہکے تھے رند بہکے تھے
جشن برپا ہوا تھا پہلے بھی

زیست کے ان فسانہ خوانوں سے
اِک فسانہ سُنا تھا پہلے بھی

کسی در پر جُھکے نہ ہم باقیؔ
اپنا رستہ جُدا تھا پہلے بھی

○

بات دیدہ کہیں شنیدہ کہیں
آؤ اس شوخ کا قصیدہ کہیں

دِل کا قصّہ طویل ہوتا ہے
اُس کے اوصاف چیدہ چیدہ کہیں

اُس کی ہر اک ادائے رنگیں کو
زندگی پر خطِ کشیدہ کہیں

اور ہوتی ہے رسمِ شہرِ خیال
کیوں کسی کو ستم رسیدہ کہیں

کب وہ دشتِ وفا میں آیا تھا
کیوں اُسے آہوئے رمیدہ کہیں

اُس کی ہر بات کو کہیں تلوار
اپنے سر کو سرِ بُریدہ کہیں

اُس کے شعلوں کو دیں صبا کا نام
اپنے ہر رنگ کو پریدہ کہیں

جام کو جامِ جم سے دیں نسبت
اپنے خوں کو مئے چکیدہ کہیں

غیر سے دوستی مبارک ہو
اور اب کیا وفا گزیدہ کہیں

اب وہ رنگِ جہاں نہیں باقی
کس سے حالِ دلِ تپیدہ کہیں

○

شفق کی آگ کہانی کوئی سُنانے لگی
کسی کے خُون کی بُو راستوں سے آنے لگی

ملی ہے ایک زمانے کو روشنی جن سے
ہوائے دہر وہی مشعلیں بجھانے لگی

تھا جس خیال پہ قائم حیات کا ایواں
اُسی خیال سے تلخی دلوں میں آنے لگی

سحر کے آئنے کا کوئی اعتبار نہیں
کلی تو دیکھ کے عکس اپنا مُسکرانے لگی

مَیں اپنے دِل کے بھنور سے نکل نہیں سکتا
تمہاری بات تو کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگی

گُلوں کے مُنہ میں زمانے نے آگ رکھ دی ہے
بہار اپنا ہی خُوں پی کے لڑکھڑانے لگی

نسیم گُزری ہے زنداں سے اس طرح باقیؔ
شکستِ دل کی صدا دُور دُور جانے لگی

○

جاں دے کے اِک تبسّم جاناں خریدئیے
یہ جنس ہے گراں مگر ارزاں خریدئیے

نظروں کے سامنے ہیں شبِ غم کے مرحلے
کچھ خون ہے تو صبحِ درخشاں خریدئیے

یُوں بھی نہ کھُل سکا نہ کوئی زندگی کا راز
دِل دے کے کیوں نہ دیدۂ حیراں خریدئیے

مرنا ہے تو نظر رکھیں اپنے مآل پر
جینا ہے تو حیات کا ساماں خریدئیے

جو کر سکیں تو کیجئے یہ کاروبارِ زیست
جو کہہ رہا ہے یہ دلِ ناداں خریدئیے

جو رُوح کو حیات دے، دل کو سکون دے
یہ بھیڑ دے کے ایک وہ انساں خریدئیے

زخموں کی تاب ہے نہ تبسّم کا حوصلہ
ہم کیا کریں گے آپ گُلستاں خریدئیے

کرنا پڑے ہے جس کے لئے غیر کا طواف
وہ غم نہ لیجئے نہ وہ ارماں خریدئیے

باقیؔ اسی میں حضرتِ انساں کی خیر ہے
سارا جہان دے کے اِک ایماں خریدئیے

○

دل کسی صورت ٹھہر پاتا نہیں
تُو نظر کے سامنے ہے یا نہیں

مٹ گیا ہے دل سے کیا تیرا خیال
اِتنا دُنیا کو کبھی چاہا نہیں

اِس طرح محفل پہ ہے اُس کی نظر
سب ہیں تنہا اور کوئی تنہا نہیں

سوچ کر کیا بات آ بیٹھے ہو تُم
ان درختوں کا کوئی سایا نہیں

دُھوپ کا رُخ دیکھ کر چلتے ہیں لوگ
کوئی اپنے سامنے آتا نہیں

بات مظلوموں پہ آخر آئے گی
اُلٹے رُخ دریا کبھی بہتا نہیں

دیکھتا ہوں اس طرح ہر ایک کو
آدمی بھی آدمی گویا نہیں

یہ بھی تو پہلو ہے اک حالات کا
لوگ جو کہتے ہیں وہ ہوتا نہیں

آج باقیؔ کیا ہوا کو ہو گیا
دُور تک پتّا کوئی ہلتا نہیں

○

قطرے کی آرزو سے گہر آئنہ بنے
آئینہ ساتھ دے تو نظر آئنہ بنے

منزل کے اعتبار سے اُٹھتا ہے ہر قدم
رہرو بقدرِ ذوقِ سفر آئنہ بنے

ہم بھی مثالِ گردشِ دوراں ہیں بے مقام
پتّھر اِدھر بنے تو اُدھر آئنہ بنے

ہر زخم دِل میں زیست نے دیکھا ہے اپنا عکس
ہم آئنہ نہیں تھے مگر آئنہ بنے

ملتی ہے دِل کو محفلِ انجم سے روشنی
آنکھوں میں شب کٹے تو سحر آئنہ بنے

ساحل کی خامشی کا فسوں ٹُوٹنے لگے
دریا کا اضطراب اگر آئنہ بنے

باقیؔ کسی پہ رازِ چمن کس طرح کھلے
جب ٹُوٹ کر نہ شاخِ شجر آئنہ بنے

○

یہ گُل نہیں یہ شگوفے نہیں یہ خار نہیں
ہے چیز کون سی جو تیرا شاہکار نہیں

خیال تیری طرف ہو تو غم بھی بار نہیں
یہ کیا گلہ ہے کہ ماحول سازگار نہیں

چمن کو دیکھ کے دیکھو بنانے والے کو
مقامِ فکر بھی ہے صرف یہ بہار نہیں

تری نگاہِ کرم کی اُمید ہے ورنہ
میرے گُناہوں کا یارب کوئی شمار نہیں

زمانہ راز ہے تو راز ہی رہے جاقیؔ
اسی میں اپنا بھرم ہے کہ آشکار نہیں

○

احساسِ زندگی کی کلی کھل گئی ہے پھر
کیا تیرے غم سے روشنی کچھ مل گئی ہے پھر

ہر نقش اک خراش ہے، ہر رنگ ایک داغ
تصویر آئینے کے مقابل گئی ہے پھر

دو چار گام ساتھ چلے ہیں پھر اہلِ غم
کچھ دُور تک صدائے سلاسل گئی ہے پھر

کچھ آدمی گلی میں کھڑے ہیں اِدھر اُدھر
شاید جہاں کو بات کوئی مل گئی ہے پھر

ٹُوٹا ہے پھر غبارِ سرِ راہ کا طلسم
ہر راہرو کے سامنے منزل گئی ہے پھر

چلئے کہیں تو کچھ مجھے اپنی خبر ملے
وہ اِک نظر جو لے کے مرا دِل گئی ہے پھر

جاگی ہے وہ بادباں کھُلے وہ کشتیاں چلیں
وہ ایک موج جانبِ ساحل گئی ہے پھر

○

ہر حالات کی اِک زیرِ زمیں ہوتی ہے
زیست ہر بات پہ کیوں چیں بہ جبیں ہوتی ہے

زندگی بھی تو اُلجھتی ہے سیاست کی طرح
شعلہ ہوتا ہے کہیں آگ کہیں ہوتی ہے

روشنی رنگ بدلتی ہے تمنّا کی طرح
ہم بھٹک جاتے ہیں منزل تو وہیں ہوتی ہے

فاصلہ بھی ہے نگاہوں کے لئے اِک جادو
ہاتھ جو آ نہ سکے چیز حسیں ہوتی ہے

بیٹھے بیٹھے چمک اُٹھتی ہیں نگاہیں جاتی
دُور کی شمع کہیں اتنی قریں ہوتی ہے

○

نہ اپنے دِل کے نہ اپنی زباں کے ساتھ چلے
فریب خوردہ تھے ہر مہرباں کے ساتھ چلے

کتابِ دورِ جہاں کے وہ لفظ ہیں ہم لوگ
ہر اک فسانے ہر اِک داستاں کے ساتھ چلے

وہ پی کے ہوش میں آئے کہ ہوش کھو بیٹھے
کچھ ایسے قصّے مئے ارغواں کے ساتھ چلے

کہاں کا سُود کہ اپنا خیال بھی نہ رہا
زیاں کی فکر میں ہم ہر زیاں کے ساتھ چلے

یہ رُخ بھی کشمکشِ زندگی کا دیکھا ہے
جہاں کی بات نہ کی اور جہاں کے ساتھ چلے

ہمارے خُون سے اُبھریں چمن کی دیواریں
ہمارے قصّے بہار و خزاں کے ساتھ چلے

کچھ اس طرح بھی کیا ہم نے طے سفر باقیؔ
نشاں بن کے ہر اِک بے نشاں کے ساتھ چلے

○

چشمِ نظارہ پہ کیسا کوئی بھی الزام نہ تھا
چاندنی رات تھی اور کوئی لبِ بام نہ تھا

وہم تھا لوگ مرا راستہ تکتے ہوں گے
آ کے دیکھا تو کسی لب پہ مرا نام نہ تھا

اس طرح باغ سے چُپ چاپ گزر آئے ہیں
جیسے پھولوں کی مہک میں کوئی پیغام نہ تھا

عمر بھر اپنی ہی گردش میں رہے ہم جاویدؔ
اُس جگہ دل تھا جہاں اور کوئی دام نہ تھا

○

ہم تیری محبّت سے گزرنے نہیں پاتے
ایسے بھی ہیں کچھ زخم کہ بھرنے نہیں پاتے

ہر موج تمنّا ہے سراب یم ہستی
ہم پیاس کے صحرا سے اُبھرنے نہیں پاتے

وہ دُھوپ کہ دیوار سرِ راہ کھڑی ہے
سائے بھی درختوں سے اُترنے نہیں پاتے

اس طرح جکڑ رکھا ہے احساسِ وفا نے
ہم ٹوٹ تو جاتے ہیں بکھرنے نہیں پاتے

آ کر بھی صبا باغ میں لہرا نہیں سکتی
کھِل کر بھی کئی پھول نکھرنے نہیں پاتے

وہ بھیڑ ہے اِک گام بھی ہم چل نہیں سکتے
وہ شور ہے، ہم بات بھی کرنے نہیں پاتے

ہر موجِ قدم دِل سے گزُر جاتی ہے باقی
وہ تیز ہوا ہے کہ ٹھہرنے نہیں پاتے

○

تُو عرضِ تمنّا کو بھی جھگڑا کہہ دے
ہے بات یہی دل میں تو اچھا کہہ دے

انصاف کتابوں میں بھلا لگتا ہے
مجرم ہے وہ مجرم جسے دُنیا کہہ دے

گُلشن میں بہاروں کی نہیں کوئی کمی
ہاں ہاتھ نہ کچھ آئے تو صحرا کہہ دے

تُو دوشِ ہوا پر ہے تری بات ہے کیا
جو حادثہ ہو اُس کو تماشا کہہ دے

دُنیا کسی نسبت سے مجھے یاد رکھے
دُشمن ہوں۔ تو دُشمن مجھے اپنا کہہ دے

یہ سوچ کے ہر بات میں کہہ دیتا ہوں
شاید تو کبھی بھول کے اچھا کہہ دے

اُس شخص کی باتوں کا بھروسہ باقی
جو جُرم کو بھی دل کی تمنّا کہہ دے

○

مَیں ہر اک محفل میں اس اُمید پر بیٹھا رہوں
کوئی تیرا ذِکر چھیڑے اور مَیں سُنتا رہوں

دُھوپ کی صورت مرے ہمراہ تُو چلتا رہے
سائے کے مانند میں گھٹتا رہوں بڑھتا رہوں

ایک طوفاں کی طرح تو مجھ سے ٹکراتا رہے
اور ساحل کی طرح کٹ کٹ کے میں گِرتا رہوں

تُو لہو کی طرح میرے جسم میں گردش کرے
سانس کی مانند میں آتا رہوں جاتا رہوں

دشتِ دِل سے تو صبا بن کے اگر گُزرے تو مَیں
قطرہ بن کے نوکِ خارِ زیست پر ٹھہرا رہوں

دائرے آبِ رواں کے ٹُوٹتے بنتے رہیں
اور اپنی شکل مَیں بیٹھا ہُوا تکتا رہوں

زندگی کے مرحلے دُنیا کی خاطر طے کروں
اور محبّت کے لئے مَیں عمر بھر پیاسا رہوں

کر دیا ہے کام کیسا تُو نے یہ میرے سپرد
رات بھر آوارہ قدموں کی صدا سُنتا رہوں

میری حسرت کا تقاضا ہے کہ تیری آرزو
موسمِ گل میں شکستہ شاخ پر بیٹھا رہوں

زندگی دو حادثوں کے درمیاں اِک حادثہ
مَیں کہاں تک حادثوں کے درمیاں بہتا رہوں

زندہ رہنے کا تو باقی یہ بھی اِک انداز ہے
بیٹھ کر غیروں میں اپنے آپ پر ہنستا رہوں

○

اِک آئینہ نظر میں سما کر چلا گیا
تصویر میری مجھ کو دکھا کر چلا گیا

ہم دیکھ کر جہاں کو ہراساں ہیں اس طرح
یک لخت جیسے کوئی جگا کر چلا گیا

دیوانہ اپنے آپ سے تھا بے خبر تو کیا
کانٹوں میں ایک راہ بنا کر چلا گیا

دِل پر کھُلا نہ تھا کبھی یہ تشنگی کا رُوپ
وہ میرا زہر مجھ کو پلا کر چلا گیا

رات اپنے سائے سائے میں چھُپتا رہا ہوں میں
اِتنے چراغ کوئی جلا کر چلا گیا

اِس طرح چونک چونک اُٹھا ہوں خیال میں
جیسے ابھی ابھی کوئی آ کر چلا گیا

اِک پھول اِتنے رنگ نہ لایا تھا اپنے ساتھ
راہوں میں جتنے خار بچھا کر چلا گیا

باقیؔ ابھی یہ کون تھا موجِ صبا کے ساتھ
صحرا میں اِک درخت لگا کر چلا گیا

○

حسرت ہے جو نکال لو، غصّہ اُتار لو
بے سُدھ پڑا ہوں آخری پتھّر بھی مار لو

ہم دامنِ اُمید کو چھوڑیں نہ ہاتھ سے
ظالم تُو کہہ رہا ہے خُدا کو پُکار لو

دُنیا ہے نام موت کا عقبٰے حیات کا
آگے خوشی تمہاری خزاں لو، بہار لو

دُنیا تو اپنی بات کبھی چھوڑتی نہیں
جس طرح تم گُزار سکو دن گزار لو

کُچھ دیر اور بزم میں اُن کی چلے گی بات
کُچھ آ گئے ہیں اور مرے غمگسار لو

لے کر بیاض کیوں نہ پُکاروں گلی گلی
میرا لہو خریدو، مرے شاہکار لو

جا تجھے تمہیں حیات کا ساماں تو مل گیا
اِک لمحے کی خوشی بھی کِسی سے اُدھار لو

○

ہر رہبرو اخلاص پہ رہتی ہے نظر اب
رہزن کی طرح کرتے ہیں ہم لوگ سفر اب

پھولوں میں چھپا بیٹھا ہوں اِک زخم کی صورت
کھا جاتی ہے دھوکا مری اپنی بھی نظر اب

اس طرح اُٹھا دِل سے یقیں اہلِ جہاں کا
افواہ نظر آتی ہے سچّی بھی خبر اب

جو پُرسشِ غم کے لئے آ جائے غنیمت
کشکول کی مانند کھُلا رہتا ہے در اب

نظروں میں اُبھر آتا ہے ہر ڈُوبتا تارا
اس طرح گزُرتی ہے مرے دل سے سحر اب

دُنیا کو ہے اب کانچ کے ٹکڑوں کی ضرورت
کس کے لئے دریا سے نکالو گے گہر آب

منزل سے بہت دُور نکل آیا ہوں باقیؔ
بھٹکا ہُوا رہرو ہی کوئی آئے اِدھر اب

○

ہم تری بزم سے بازار میں جب لائے گئے
دُور تک ساتھ لپٹتے ہوئے کچھ سائے گئے

ہائے یہ شوق کہ ہر لب پہ تھا پیغامِ سفر
وائے یہ وہم کہ ہر گام پہ ٹھہرائے گئے

گرچہ ہر بزم میں اِک قصّہ ترا چلتا تھا
پھر بھی کچھ قصّے کسی طرح نہ دُہرائے گئے

روز ہم اِک نئے احساس کی تصویر بنے
روز ہم اِک نئی دیوار میں چنوائے گئے

جس جگہ کھوئے ہیں اپنوں کی تمنّا میں ہم
وہیں غیروں کی روایات میں ہم پائے گئے

کیا وفا کر کے ہوئے سب کی نظر میں مجرم
ایک عرصہ ترے کُوچے میں ہم آئے نہ گئے

ہر قدم حلقۂ صد دامِ چمن تھا باقیؔ
ہار زنجیر کی صورت کبھی پہنائے گئے

○

آنکھوں میں ہے سوالوں جوابوں کا سلسلہ
ٹوٹا نہیں ابھی ترے خوابوں کا سلسلہ

دُنیا کے رنگ رنگ میں حسرت کی کروٹیں
موجوں کے ساتھ ساتھ حبابوں کا سلسلہ

پیچھے نہ موجِ ریگِ رواں کے چلے چلیں
ہوگا کہیں تو ختم سرابوں کا سلسلہ

موجِ بہار کے بھی قدم لڑکھڑا گئے
جاتا ہے کتنی دُور خرابوں کا سلسلہ

لفظوں تک آ گیا ہے جنوں کا معاملہ
دِل کے اِدھر اُدھر ہے کتابوں کا سلسلہ

گھٹتا ہی جائے گا نگہِ شوق کا مقام
بڑھتا ہی جائے گا یہ حجابوں کا سلسلہ

باقی ہے تیری نگاہ کی دیوار بن گیا
چہروں کا مرحلہ کہ نقابوں کا سلسلہ

○

اِرد گرد دیواریں اور درمیاں چہرے
بُغضِ دوستاں چہرے لُطفِ دُشمناں چہرے

گردشِ زمانہ کا اِک طویل افسانہ
یہ جلی جلی نظریں، یہ دھواں دھواں چہرے

نقش نقش پر برہم، داغ داغ پر خنداں
زندگی کی راہوں میں رہ گئے کہاں چہرے

قہقہوں کے ساغر میں ڈھل سکیں نہ وہ باتیں
موجِ لب سے پہلے کر گئے بیاں چہرے

موسموں کی تلخی کا کچھ سُراغ دیتے ہیں
شاخِ جسمِ نازک پر برگِ بے زباں چہرے

اِک خیال دُنیا کا کر گیا سکوں برہم
اِک ہوا کے جھونکے سے ہو گئے عیاں چہرے

رنگ و بُو کی تصویریں آئنے بدلتی ہیں
خار کی خلش چہرے، پھول کا گماں چہرے

کون جان سکتا ہے درد کی حقیقت کو
آب پر شکن ماہیاں، خاک پر نشاں چہرے

رُک گئے وہاں ہم بھی ایک دو گھڑی باقیؔ
جس جگہ نظر آئے چند مہرباں چہرے

○

گُل کے پردے میں ہے کیا معلوم نہیں
شعلۂ صرصر ہے کہ صبا معلوم نہیں

کِس کا ہاتھ ہے کس کے مُہرے پر کیا جانیں
کون اور کیسی چال چلا معلوم نہیں

ہم نے خُون میں لت پت گُلشن دیکھا ہے
کِس جانب سے شور اُٹھا معلوم نہیں

ہم ہیں اور اندھیری رات کا ہنگامہ
کِس کا کِس پر وار پڑا معلوم نہیں

جانے کیا مستی میں اُس نے بات کہی
نشّے میں کیا ہم نے سُنا معلوم نہیں

لحظہ لحظہ دُوری بڑھتی جاتی ہے
کل کا انسان کیا ہوگا معلوم نہیں

ہر چہرے کے پیچھے کتنے چہرے ہیں
کون ہمیں کس وقت ملا معلوم نہیں

قدموں کی آہٹ پر کان رہے اپنے
کون آیا اور کون گیا معلوم نہیں

ہوش آیا تو تاریکی میں تھے باقیؔ
کتنی دیر چراغ جلا معلوم نہیں

○

اس کارگہِ رنگ میں ہم تنگ نہیں کیا
جو سر پہ لگا ہے ابھی وہ سنگ نہیں کیا

تصویر کو تصویر دکھائی نہیں جاتی
اس آئینہ خانے میں نظر دنگ نہیں کیا

ہے حلقۂ جاں اپنی وفاؤں کا تصوّر
اس داغ سے آگے کوئی فرسنگ نہیں کیا

ہر بات پہ ہم دیتے ہیں غیروں کا حوالہ
اپنا کوئی آہنگ کوئی رنگ نہیں کیا

بخشے ہوئے اِک گھونٹ پہ ہم جھوم رہے ہیں
اب مانگ کے پینا بھی کوئی ننگ نہیں کیا

زخمِ دلِ بے تاب ہے ہاتھوں میں نوالہ
اس بات پہ دُنیا سے مری جنگ نہیں کیا

وہ رنگ نہیں شعلۂ احساس میں باقی
ہم سازِ تمنّا سے ہم آہنگ نہیں کیا

○

فاصلہ دل کا مختصر ہے ابھی
فیصلہ اِک نگاہ پر ہے ابھی

چاند شب کے گلے میں اٹکا ہے
دُور ہنگامۂ سحر ہے ابھی

سائے قدموں کو روک لیتے ہیں
ایک دیوار ہر شجر ہے ابھی

گھر کے اندر نظر نہیں جاتی
راہ میں حُسنِ بام و در ہے ابھی

راستے گونجتے ہیں دل کی طرح
ایک آواز ہم سفر ہے ابھی

راہ بھی گرد ، منزلیں بھی گرد
ہر قدم اِک نئی خبر ہے ابھی

کچھ تعلق صبا سے ہے باقی
دِل کے دامن میں اِک شرر ہے ابھی

○

خبر کچھ ایسی اُڑائی کسی نے گاؤں میں
اُداس پھرتے ہیں ہم بیریوں کی چھاؤں میں

نظر نظر سے نکلتی ہیں درد کی ٹیسیں
قدم قدم پہ وہ کانٹے چبھے ہیں پاؤں میں

ہر ایک سمت سے اُڑ اُڑ کے ریت آتی ہے
ابھی ہے زور وہی دشت کی ہواؤں میں

غموں کی بھیڑ میں اُمید کا وہ عالم ہے
کہ جیسے ایک سخی ہو کئی گداؤں میں

ابھی ہے گوش بر آواز گھر کا سناٹا
ابھی کشش ہے بڑی دور کی صداؤں میں

چلے تو ہیں کسی آہٹ کا آسرا لے کر
بھٹک نہ جائیں کہیں اجنبی فضاؤں میں

دھواں دھواں سی ہے کھیتوں کی چاندنی باقیؔ
کہ آگ شہر کی اب آ گئی ہے گاؤں میں

بے نشاں رہتے بے نشاں ہوتے
تم نہ ہوتے تو ہم کہاں ہوتے

مہر و مہ کو نہ یہ ضیا ملتی
آسماں بھی نہ آسماں ہوتے

کہیں بندِ قبا نہ کھل سکتا
دشت ہوتے نہ گلستاں ہوتے

تم نے تفسیرِ دو جہاں کی ہے
ورنہ یہ راز کب عیاں ہوتے

تم دکھاتے اگر نہ راہِ حیات
جانے کس سمت ہم رواں ہوتے

ہمیں اپنی جبیں نہ مل سکتی
اتنے غیروں کے آستاں ہوتے

ایک انساں بھی نہ مِل سکتا
گرچہ آباد سب مکاں ہوتے

کِھل نہ سکتی کلی مسرّت کی
غم ہی غم زیبِ داستاں ہوتے

مقصدِ زندگی نہ پا سکتے
اپنی ہستی سے بدگماں ہوتے

ہمیں کوئی نہ آسرا مِلتا
بے اماں ہوتے ہم جہاں ہوتے

تُو نے بخشی ہے روشنی ورنہ
دیدہ و دِل دھواں دھواں ہوتے

○

وشت دیکھے ہیں گلستاں دیکھے
تیرے جلوے یہاں وہاں دیکھے

اس کو کہتے ہیں تیرا لطف وکرم
خشک شاخوں پہ آشیاں دیکھے

جو جہاں کی نظر میں کانٹا تھے
ہم نے آباد وہ مکاں دیکھے

دوستوں میں ہے تیرے لطف کا رنگ
کوئی کیوں بُغضِ دشمناں دیکھے

جو نہیں چاہتا اماں تیری
مانگ کر غیر سے اماں دیکھے

تیری قدرت سے ہے جسے انکار
اُٹھ کے وہ صبح کا سماں دیکھے

یہ حسیں سلسلہ ستاروں کا
کوئی تا حدِّ آسماں دیکھے

○

ایک قطرہ جہاں نہ مِلتا تھا
ہم نے چشمے وہاں رواں دیکھے

کِس نے مٹّی میں رُوح پُھونکی ہے
کوئی یہ ربطِ جسم و جاں دیکھے

دیکھ کر پیچ و تاب دریا کا
یہ سفینے یہ بادباں دیکھے

جِس کو تیری رضا سے مطلب ہے
سُود دیکھے نہ وہ زیاں دیکھے

○

کہتا ہے ہر مکیں سے مکاں بولتے رہو
اس چُپ میں بھی ہے جی کا زیاں بولتے رہو

ہر یاد ہر خیال ہے لفظوں کا سلسلہ
یہ محفلِ نوا ہے یہاں بولتے رہو

موجِ صدائے دل پہ رواں ہے حصارِ زیست
جس وقت تک ہے منہ میں زباں بولتے رہو

اپنا لہُو ہی رنگ ہے، اپنی تپش ہی بُو
ہو فصلِ گل کہ دورِ خزاں بولتے رہو

قدموں پہ بار ہوتے ہیں سنسان راستے
لمبا سفر ہے ہم سفراں بولتے رہو

ہے زندگی بھی ٹُوٹا ہوا آئنہ تو کیا
تم بھی بطرزِ شیشہ گراں بولتے رہو

باقیؔ جو چُپ رہو گے تو اُٹھیں گی اُنگلیاں
ہے بولنا بھی رسمِ جہاں بولتے رہو

○

رنگِ دل ، رنگِ نظر یاد آیا
تیرے جلوؤں کا اثر یاد آیا

وہ نظر بن گئی پیغامِ حیات
حلقۂ شام و سحر یاد آیا

یہ زمانہ ، یہ دلِ دیوانہ
رشتۂ سنگ و گہر یاد آیا

یہ نیا شہر ، یہ روشن راہیں
اپنا آغازِ سفر یاد آیا!

راہ کا رُوپ بنی دُھوپ اپنی
کوئی سایہ نہ شجر یاد آیا

کب نہ اس شہر میں پتھّر برسے
کب نہ اس شہر میں سر یاد آیا

گھر میں تھا دشت نوردی کا خیال
دشت میں آئے تو گھر یاد آیا

○

اُلٹی بساطِ میکدہ جامِ ہوس چلے
ساقی کا خون پی لیں جو رندوں کا بس چلے

اے خالقِ بہار یہ کیسی بہار ہے
ہم اِک تبسمِ گُلِ تر کو ترس چلے

ہر سمت ہیں بہار پہ پہرے لگے ہوئے
بادِ صبا چلے تو قفس تا قفس چلے

یا اس طرح کسی کو پیامِ سفر نہ دے
یا ہم کو لے کے ساتھ صدائے جرس چلے

کیوں چھا رہی ہے بزمِ جہاں پر فسردگی
دو چار دن تو ساغرِ سوزِ نفس چلے

ممکن ہے آملے کوئی گم گشتہ راہرو
تھوڑی سی دُور اور صدائے جرس چلے

باقیؔ وہی تپش ہے وہی رنگ و بُو کی پیاس
کہنے کو جھوم جھوم کے بادل برس چلے

○

گرد اُڑتی ہے سرِ راہِ خیال
دلِ ناداں کا سفر یاد آیا

ایک ہنستی ہوئی بدلی دیکھی
ایک جلتا ہوا گھر یاد آیا

اس طرح شام کے سائے پھیلے
رات کا پچھلا پہر یاد آیا

پھر چلے گھر سے تماشا بن کر
پھر ترا روزنِ در یاد آیا

کسی پتّھر کی حقیقت ہی کیا
دل کا آئینہ مگر یاد آیا

آنچ دامانِ صبا سے آئی
اعتبارِ گُلِ تر یاد آیا

گر پڑے ہاتھ سے کاغذ باقیؔ
اپنی محنت کا ثمر یاد آیا

○

رسمِ سجدہ بھی اُٹھا دی ہم نے
عظمتِ عشق بڑھا دی ہم نے

جب کوئی تازہ شگوفہ پھوٹا
کی گلستاں میں مُنادی ہم نے

آنچ صیّاد کے گھر تک پہنچی
اتنی شعلوں کو ہوا دی ہم نے

جب چمن میں نہ کہیں چین ملا
درِ زنداں پہ صدا دی ہم نے

دِل کو آنے لگا بسنے کا خیال
آگ جب گھر کو لگا دی ہم نے

اس قدر تلخ تھی رودادِ حیات
یاد آتے ہی بھلا دی ہم نے

حال جب پُوچھا کسی نے باقیؔ
اِک غزل اپنی سُنا دی ہم نے

O

کیا زیست کا راز پائیں گے ہم
کتنے پردے اُٹھائیں گے ہم

اِک اپنی وفا کی روشنی سے
کِس کِس کا دیا جلائیں گے ہم

ہر رنگِ جہاں سے ہٹ کے دیکھو
اس طرح نظر نہ آئیں گے ہم

یُوں نِکلے ہیں تیری جستجو میں
جیسے تجھے ڈھونڈ لائیں گے ہم

اِک بات نہ اُٹھ سکے جہاں کی
کیا بارِ حیات اُٹھائیں گے ہم

آغازِ سفر میں کیا خبر تھی
یُوں راہ میں بیٹھ جائیں گے ہم

جو دل پہ گزر رہی ہے باقیؔ
تجھ کو بھی نہ اب بتائیں گے ہم

○

آئی نہ پھر نظر کہیں جانے کدھر گئی
اُن تک تو ساتھ گردشِ شام و سحر گئی

تیرے بغیر رنگ نہ آیا بہار میں
اِک اِک کلی کے پاس نسیمِ سحر گئی

کچھ اتنا بے ثبات تھا ہر جلوۂ حیات
لوٹ آئی زخم کھا کے جدھر بھی نظر گئی

نادم ہے اپنے اپنے قرینے پہ ہر نظر
دُنیا لہو اُچھال کے کتنی نکھر گئی

آ دیکھ مجھ سے رُوٹھنے والے ترے بغیر
دن بھی گزر گیا، شبِ غم بھی گزر گئی

شبنم ہو، کہکشاں ہو ستارے ہوں پھول ہوں
جو شے تمہارے سامنے آئی نکھر گئی

○

یہ آگ آگ ہوائیں، یہ سُرخ سُرخ زمیں
مسافروں کے ارادے بدل نہ جائیں کہیں

ترے بغیر نظر کا یہ حال ہے جیسے
تمام شہر کی شمعیں کِسی نے گُل کردیں

ہزار کروٹیں لیتی ہے ایک پَل میں حیات
جو ایک بار نگاہیں ہٹیں تو پھر نہ ملیں

ترے خیال میں گُم ہو گئے ہیں دیوانے
ترے سوا کوئی اب تیری انجمن میں نہیں

اِسی کا نام تو دیوانگی نہیں باقیؔ
کہ اپنے آپ سے ہنس ہنس کے ہم نے باتیں کیں

○

احساسِ سفر داغِ سفر بن کے عیاں ہے
منزل پہ چراغِ سرِ منزل کا دھواں ہے

لازم ہے رہیں اہلِ چمن گوش بر آواز
اب میری فغاں ہی مرے ہونے کا نشاں ہے

ہر کام اُدھورا نظر آتا ہے جہاں کا
ہر سمت تری نیم نگاہی کا سماں ہے

فریاد کی اب کوئی ضرورت نہیں باقی
اب حال میرا رنگِ زمانہ سے عیاں ہے

○

ہم کہاں آئینہ لے کر آئے
لوگ اُٹھائے ہوئے پتھّر آئے

دل کے ملبے میں دبا جاتا ہوں
زلزلے کیا مرے اندر آئے

جلوہ جلوے کے مقابل ہی رہا
تُم نہ آئینے سے باہر آئے

دل سلاسل کی طرح بجنے لگا
جب تِرے گھر کے برابر آئے

جن کے سائے میں صبا چلتی تھی
پھر نہ وہ لوگ پلٹ کر آئے

شعر کا رُوپ بدل کر باقیؔ
دل کے کچھ زخم زباں پر آئے

○

کیسا رستہ ہے کیا سفر ہے
اُڑتی ہوئی گرد پر نظر ہے

ڈسنے لگی فاختہ کی آواز
کتنی سنسان دوپہر ہے

آرام کریں کہ راستہ لیں
وہ سامنے اِک گھنا شجر ہے

خود سے مِلتے تھے جس جگہ ہم
وہ گوشۂ عافیت کِدھر ہے

ایسے گھر کی بہار معلوم
جس کی بُنیاد آگ پر ہے

رفتارِ جہاں نہ پُوچھ باقیؔ
ہر موڑ پہ حادثے کا ڈر ہے

○

داغِ دل ہم کو یاد آنے لگے
لوگ اپنے دیئے جلانے لگے

کچھ نہ پاکر بھی مطمئن ہیں ہم
عشق میں ہاتھ کیا خزانے لگے

یہی رستہ ہے اب یہی منزل
اب یہیں دل کسی بہانے لگے

خود فریبی سی خود فریبی ہے
پاس کے ڈھول بھی سہانے لگے

اب تو ہوتا ہے ہر قدم پہ گماں
ہم یہ کیسا قدم اٹھانے لگے

اس بدلتے ہوئے زمانے میں
تیرے قصّے بھی کچھ پرانے لگے

رُخ بدلنے لگا فسانے کا
لوگ محفل سے اُٹھ کے جانے لگے

ایک پَل میں وہاں سے ہم اُٹھّے
بیٹھنے میں جہاں زمانے لگے

اپنی قسمت سے ہے مَفر کِس کو
تیر پر اُڑ کے بھی نشانے لگے

ہم تک آئے نہ آئے موسمِ گُل
کچھ پرندے تو چہچہانے لگے

شام کا وقت ہو گیا باقیؔ
بستیوں سے شرار آنے لگے

○

ابرِ گلشن برس گیا تو کیا
کوئی سُوئے قفس گیا تو کیا

زندگی کا نشاں کہیں ملتا
اِک نیا شہر بس گیا تو کیا

شعلۂ گُل ہے اور صحنِ چمن
میرا دِل بھی جھُلس گیا تو کیا

راہ کا سانپ ہے گھنا سایا
راہگیروں کو ڈس گیا تو کیا

زندگی اب اسی ہجوم سے ہے
سانس کو دل ترس گیا تو کیا

کوئے آوارگاں میں ہم پر بھی
کوئی آوازہ کس گیا تو کیا

کوئی چونکا نہ خواب سے جاقیؔ
دُور شورِ جرس گیا تو کیا

○

چمن میں شور بہت شوخیٔ صبا کا تھا
وہ رنگِ گُل تھا کہ شعلہ تری ادا کا تھا

وفا کا زخم ہے گہرا تو کوئی بات نہیں
لگاؤ بھی تو ہمیں اُن سے انتہا کا تھا

دیارِ عشق میں ہر دل تھا آئنہ اپنا
وہی تھا شاہ کا انداز جو گدا کا تھا

غمِ جہاں کی خبر اس طرح بھی ہم کو ملی
کہ رنگ اُڑا ہوا اِک دردِ آشنا کا تھا

کسی کلی کا چٹکنا بھی ناگوار ہوا
وہ انتظار ہمیں آپ کی صدا کا تھا

قدم کچھ اس طرح اُکھڑے کہ سوچ بھی نہ سکے
کدھر سے آئے تھے ہم، رُخ کدھر ہوا کا تھا

○

ہر طرف بکھرے ہیں رنگین سائے
راہرو کوئی نہ ٹھوکر کھائے

زندگی حرفِ غلط ہی نکلی
ہم نے معنی تو بہت پہنائے

دامنِ خواب کہاں تک پھیلے
ریگ کی موج کہاں تک جائے

تجھ کو دیکھا، ترے وعدے دیکھے
اُونچی دیوار کے لمبے سائے

بند کلیوں کی ادا کہتی ہے
بات کرنے کے ہیں سو پیرائے

بام و در کانپ اُٹھے ہیں باقیؔ
اس طرح جھوم کے بادل آئے

○

صبح کا بھید ملا کیا ہم کو
لگ گیا رات کا دھڑکا ہم کو

شوقِ نظّارہ کا پردہ اُٹھا
نظر آنے لگی دُنیا ہم کو

کشتیاں ٹُوٹ گئی ہیں ساری
اب لئے پھرتا ہے دریا ہم کو

بھیڑ میں کھو گئے آخر ہم بھی
نہ ملا جب کوئی رَستہ ہم کو

تلخیٔ غم کا مداوا معلوم
پڑ گیا زہر کا چسکا ہم کو

تیرے غم ہی سے سکوں ملتا ہے
اپنے شعلوں نے جلایا ہم کو

گھر کو یُوں دیکھ رہے ہیں جیسے
آج ہی گھر نظر آیا ہم کو

ہم کہ شعلہ بھی ہیں اور شبنم بھی
تُو نے کِس رنگ میں دیکھا ہم کو

جلوۂ لالہ و گُل ہے دیوار
کبھی مِلتے سرِ صحرا ہم کو

لے اُڑی دِل کو نسیمِ سحری
بُوئے گُل کر گئی تنہا ہم کو

سیرِ گلشن نے کیا آوارہ
لگ گیا روگ صبا کا ہم کو

یاد آئی ہیں برہنہ شاخیں
تھام لے اے گُلِ تازہ ہم کو

لے گیا ساتھ اُڑا کر جاتے
ایک سُوکھا ہوا پتّہ ہم کو

○

دِل کے ہر داغ کو غُنچہ کہیئے
جیسا وہ کہتے ہیں ویسا کہیئے

جذبِ دل کے کوئی معنی نہ رہے
کِس سے عجزِ لبِ گویا کہیئے

کوئی آواز بھی آواز نہیں
دِل کو اب دل کی تمنّا کہیئے

اِتنا آباد کہ ہم شور میں گُم
اِتنے سنسان کہ صحرا کہیئے

ہے حقیقت کی حقیقت دُنیا
اور تماشے کا تماشا کہیئے

لوگ چلتی ہوئی تصویریں ہیں
شہر کو شہر کا نقشہ کہیئے

خونِ دل حاصلِ نظارہ ہے
نگۂ شوق کو پردہ کہئے

شاخ جب کوئی چمن میں ٹوٹے
اسے اندازِ صبا کا کہئے

دیدہ ور کون ہے ایسا باقی
چشمِ نرگس کو بھی بینا کہئے

○

ہے روایاتِ محبّت کا امیں
تیرے ٹوٹے ہوئے وعدے کا یقیں

کتنے اُونچے تھے جہاں سے گویا
آسماں تھی ترے کوچے کی زمیں

ہم نے تیور تو بدلتے دیکھے
پھر کہا آپ نے کیا یاد نہیں

دیکھ کر رنگ تری محفل کا
ہم نے غیروں کی طرح باتیں کیں

حادثہ ہے کوئی ہونے والا
دِل کی مانند دھڑکتی ہے زمیں

تنگ آ کر مری خاموشی سے
چیخ اُٹھیں نہ در و بام کہیں

دُور سے دیکھتے جائیں باقیؔ
زندگی کوئی تماشا تو نہیں

○

کِس کا احساس اور کیسے گِلے
بات کرنے سے پہلے ہونٹ سِلے

زندگی پھر بھی اِک حقیقت ہے
کچھ تمہارا پتہ مِلے نہ مِلے

گُلستاں کی سیاہ بختی دیکھ
تیرے جانے کے بعد پھُول کِھلے

کیا اسی کا ہے نام ہمدردی
مِٹ گئے ہم تمہارے لب نہ ہلے

یہ بھی کوئی عجب نہیں باقیؔ
وہ ملیں اور سکونِ دل نہ مِلے

○

ایسا وار پڑا سر کا
بھول گئے رستہ گھر کا

زیست چلی ہے کس جانب
لے کر کاسہ مرمر کا

کیا کیا رنگ بدلتا ہے
وحشی اپنے اندر کا

دِل سے نِکل کر دیکھو تو
کیسا عالم ہے باہر کا

سر پر ڈالی سرسوں کی
پاؤں میں کانٹا کیکر کا

کون صدف کی بات کرے
نام بڑا ہے گوہر کا

دن ہے سینے کا گھاؤ
رات ہے کانٹا بستر کا

اب تو وہ جی سکتا ہے
جس کا دل ہو پتھّر کا

چھوڑو شعر اُٹھو باقیؔ
وقت ہوا ہے دفتر کا

○

ہم چھپائیں گے بھید کیا دل کا
رنگ آنکھوں میں آگیا دِل کا

زندگی تیرگی میں ڈوب گئی
ہم جلاتے رہے دیا دِل کا

تُم زمانے کی راہ سے آئے
ورنہ سیدھا تھا راستہ دِل کا

زندگی بھر کوئی پتہ نہ چلا
دورِ گردوں کا آپ کا، دلؔ کا

وقت اور زندگی کا آئینہ
نوکِ غم اور آبلہ دِل کا

ہر قدم پر ترا سوال آیا
ہر قدم پر تھا سامنا دِل کا

آنکھ کھُلتے ہی سامنے باقیؔ
ایک سنسان دشت تھا دِل کا

○

تیرے افسانے سُناتے ہیں مجھے
لوگ اب بھولتے جاتے ہیں مجھے

قہقہے بزمِ طرب کے جاگے
رنگ کیا کیا نظر آتے ہیں مجھے

مَیں کسی بات کا پردہ ہوں کہ لوگ
تیری محفل سے اُٹھاتے ہیں مجھے

زخم آئینہ بنے جاتے ہیں
حادثے سامنے لاتے ہیں مجھے

نیند بھی ایک ادا ہے تیری
رات بھر خواب جگاتے ہیں مجھے

تیرے کُوچے سے گزرنے والے
کتنے اُونچے نظر آتے ہیں مجھے

اُن کے بگڑے ہوئے تیور باقیؔ
زیست کی یاد دلاتے ہیں مجھے

○

زنجیرِ ہوس دل کو رہائی نہیں دیتی
کیا جلتی ہوئی آگ دکھائی نہیں دیتی

دُنیا کے لئے بھول گئے اپنے خُدا کو
کیا قبر کی آواز سُنائی نہیں دیتی

کیا اپنے سوا کوئی نظر آئے نہ ہم کو
کیوں دِل کو سکوں بات پرائی نہیں دیتی

جو مانگنا ہے مانگیے وہ اللہ سے اپنے
تسکیں کبھی دُنیا کی گدائی نہیں دیتی

احساسِ سفر سے یہ گرہ کُھلتی ہے باقیؔ
منزل کی خبر آبلہ پائی نہیں دیتی

○

یُوں بھی ہونے کا پتہ دیتے ہیں
اپنی زنجیر ہلا دیتے ہیں

پہلے ہر بات پہ ہم سوچتے تھے
اب فقط ہاتھ اُٹھا دیتے ہیں

قافلہ آج کہاں ٹھہرے گا
کیا خبر آبلہ پا دیتے ہیں

بعض اوقات ہوا کے جھونکے
لَو چراغوں کی بڑھا دیتے ہیں

دِل میں جب بات نہیں رہ سکتی
کِسی پتھّر کو سُنا دیتے ہیں

ایک دیوار اُٹھانے کے لئے
ایک دیوار گرا دیتے ہیں

سوچتے ہیں سرِ ساحل باقیؔ
یہ سمندر ہمیں کیا دیتے ہیں

○

جوشِ جنوں میں زیست کے سارے نشاں جلے
منزل جلی ، مقام جلے ، کارواں جلے

اہلِ ستم پہ اہلِ ستم کا ستم نہ پوچھ
اِک آستاں کے بدلے کئی آستاں جلے

فصلِ بہار میں، جو نکالے گئے ندیم
اُن کی بلا سے باغ جلے ، باغباں جلے

مجبوریوں کا نام ہی شاید ہے بے کسی
نظروں کے سامنے بھی کئی آشیاں جلے

باقیؔ ستمگروں کی ادائے ستم نہ پوچھ
زنداں وہیں بنائے نشیمن جہاں جلے

○

ہم کس کے جہاں میں بس رہے ہیں
جینے کے لئے ترس رہے ہیں

گلشن میں اُنہیں بھی ہم نہیں یاد
جو ساتھ قفس قفس رہے ہیں

آئی ترے قہقہوں کی آواز
یہ پھول کہاں برس رہے ہیں

کس رنگ میں زندگی کو ڈھالیں
ہر رنگ میں آپ بس رہے ہیں

ہم سے بھی زمانہ آشنا ہے
ہم بھی ترے ہم نفس رہے ہیں

کچھ عرقِ شراب ہو گئے ہیں
کچھ جام کو بھی ترس رہے ہیں

شبنم کی طرح اُڑے تھے باقیؔ
بادل کی طرح برس رہے ہیں

○

اپنے زخموں میں چُھپے جاتے ہیں
کوئی دیکھے تو نظر آتے ہیں

رنگ تصویر میں بھرنے والے
پسِ دیوار ہوئے جاتے ہیں

تیرے ارماں ہیں کہ اندوہِ جہاں
دل میں کچھ سائے سے لہراتے ہیں

دھیان غربت کی طرف جاتا ہے
یادِ اربابِ وطن آتے ہیں

یہ غمِ دل ، یہ شبِ تنہائی
سوچتے سوچتے سو جاتے ہیں

جب قدم رکھتے ہیں گھر میں باقیؔ
سینکڑوں حادثے یاد آتے ہیں

○

ہم تو دُنیا سے بدگماں ٹھہرے
آگئے دل کی خوشی جہاں ٹھہرے

ہائے وہ قافلے جو لُٹ کر بھی
زیرِ دیوارِ گلستاں ٹھہرے

آپ کو کارواں سے کیا مطلب
آپ تو میرِ کارواں ٹھہرے

زندگی چاہتی ہے ھنگامہ
اور ہم لوگ بے زباں ٹھہرے

کبھی تیری تلاش میں نکلے
کبھی بن کر ترا نشاں ٹھہرے

گردشِ دہر ساتھ ساتھ رہی
ہم ۔ جدھر بھی گئے، جہاں ٹھہرے

ہر نظر سنگِ راہ تھی باقیؔ
کیا بتائیں کہاں کہاں ٹھہرے

○

اُن کا یا اپنا تماشا دیکھو
جو دکھاتا ہے زمانہ دیکھو

وقت کے پاس ہیں کچھ تصویریں
کوئی ڈُوبا ہے کہ اُبھرا دیکھو

رنگ ساحل کا نکھر آئے گا
دو گھڑی جانبِ دریا دیکھو

تلملا اُٹھا گھنا سنّاٹا
پھر کوئی نیند سے چونکا دیکھو

ہم سفر غیر ہوئے جاتے ہیں
فاصلہ رہ گیا کتنا دیکھو

برف ہو جاتا ہے صدیوں کا لہو
ایک ٹھہرا ہوا لمحہ دیکھو

رنگ اُڑتے ہیں تبسّم کی طرح
آئینہ خانوں کا دعویٰ دیکھو

دل کی بگڑی ہوئی صورت ہے جہاں
اب کوئی اور خرابہ دیکھو

یا کسی پردے میں گُم ہو جاؤ
یا اُٹھا کر کوئی پردہ دیکھو

دوستی خونِ جگر چاہتی ہے
کام مشکل ہے تو رستہ دیکھو

سادہ کاغذ کی طرح دل چُپ ہے
حاصلِ رنگِ تمنّا دیکھو

یہی تسکین کی صورت ہے تو پھر
چار دن غم کو بھی اپنا دیکھو

غمگساروں کا سہارا کب تک
خود پہ بھی کر کے بھروسا دیکھو

اپنی نیّت پہ نہ جاؤ جاقیؔ
رُخ زمانے کی ہوا کا دیکھو

○

دشت یاد آیا کہ گھر یاد آیا
کوئی کرتا ہوا فریاد آیا

پھر بجھی شمع جلا دی ہم نے
جانے کیا وقتِ سحر یاد آیا

درو دیوار سے مل کر روئے
کیا ہمیں وقتِ سفر یاد آیا

قدم اُٹھتے نہیں منزل کی طرف
کیا سرِ راہ گزر یاد آیا

منزلوں ذوقِ سفر سے اُلجھے
منزلوں آپ کا در یاد آیا

ہنس کے پھر راہنما نے دیکھا
پھر ہمیں رختِ سفر یاد آیا

زندگی گزرے گی کیونکر باقیؔ
عمر بھر کوئی اگر یاد آیا

نامکمّل غزل

اپنی نظر کے دام سے نکلے نہ ہم کہیں
تصویر کا رُخ ایک ہی رہتا ہے سامنے

سر پھوڑتا کہ دل کا سکوں دیکھتا کوئی
دیوار سامنے کبھی سایا ہے سامنے

ہے موت کا خیال بھی کس درجہ دلخراش
اور صورتِ حیات بھی کیا کیا ہے سامنے

یہ خار ہے کہ تیرِ غمِ زندگی کوئی
یہ پھول ہے کہ اپنی تمنّا ہے سامنے

گُفتنی نا گُفتنی

ادب زندگی ہے، صنعت، سیاست یا طاقت ہرگز نہیں۔ لیکن ادب تخلیق کرنے والے ادیب کو ہمارے عہد میں سیاست، طاقت یا صنعت گری کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے اور جو ادیب سیاست، طاقت اور صنعت کے لئے استعمال نہیں ہو سکتا۔ وہ چاہے کتنا ہی ذہین اور خلاق کیوں نہ ہو۔ اُسے وہ مقام نہیں دیا جاتا جو ایک نابغۂ روزگار کا حق بنتا ہے۔ اس ناانصافی کے بنیادی محرکات چاہے معاشی ہوں یا سرمایہ دارانہ نظام کی جبریت... لیکن یہ مسئلہ سچے ادیبوں کو ہمیشہ ستاتا رہا ہے کہ سچا ادیب ادب کے محفوظ گھر میں، معاشرے کے مستحکم بازوؤں میں، محفل کی خوشگوار فضا میں، کتاب کے سنہرے حروف میں اور قبر کی تنگ و تاریک آغوش میں ہمیشہ سے غیر محفوظ اور بے اطمینان ہے۔ حالانکہ وہ دانش، روشنی اور محبت کا سفیر ہوتا ہے۔

سیاسی تاریخ اور طاقت کے سرچشمے کی حیثیت سے ادب ایک محرک قوت ہے جس کی حقیقت تہذیبی اور معاشرتی زندگی میں ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ ادب جاندار اور مستحکم وحدت کی تشکیل کرتا ہے اور اس کے درمیان کوئی حدِ فاصل موجود نہیں۔ لیکن جب معاشرہ میں دولت اور عسرت کی فراوانی ہو تو وہاں دولت کی پرستش اندھی آنکھوں سے نہیں اندھی عقیدت سے کی جاتی ہے۔ لہٰذا اس معاشرے میں ادب کو ہمیشہ سے نظرانداز کیا جاتا رہا ہے اور ادیب کو کرسی، صورت، طاقت، گروہ اور پیسے کے تناظر میں دیکھا جاتا رہا ہے۔ ایسی صورت میں معاشرہ نوآبادیاتی اور غلام ذہن کو تخلیق کرتا ہے اور جو ادیب نوآبادیاتی ذہن کے خلاف اپنی دانش کی روشنی میں ادب کو تخلیق کرتا ہے اُسے سیاہ روشنی اور بیمار کہکشاں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان تکلیف دہ حالات میں ہمارے عہد کے بے شمار

ادیب زندہ ذہن لے کر زندہ رہے مگر اُن کے پاس کرسی اور پیسہ نہیں تھا اس لئے انہیں دوسرے
درجے کا ادیب اور تیسرے درجے کا شہری قرار دیا جاتا رہا ہے۔ ایسے نابغۂ روزگار ادیبوں کی
فہرست طویل ہے لیکن ہم ادب دوستوں کی توجہ باقیؔ صدیقی کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں۔
جس کے نام کے ساتھ پوٹھوہار کی ثقافت اور تہذیب وابستہ ہے۔ پوٹھوہار کی تہذیب کا خیال
آتے ہی اس سرزمین کے شاندار ماضی اور اس کے دُھندلے دُھندلے نقوش ذہن میں اُبھرنے
لگتے ہیں۔ کبھی راول کا سطح مرتفع قدرت کا شاہکار بن کر نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے تو کبھی
تہذیبوں کے قافلے، فوجوں کے جلوس، رومان اور زندگی کی یاد دل و دماغ کو مسحور کرنے لگتے ہیں۔
ان تمام خصوصیات کا ضامن باقیؔ صدیقی تھا جو اب ماضی کے دُھندلکے میں روپوش ہو چکا ہے اور
جسے ہم نے بھلانے میں کوئی لمحہ ضائع نہیں کیا۔

باقیؔ صدیقی ماضی کے دُھندلکوں میں کھو گیا تو پنڈی کا ادیب وقت کی گرد میں اَٹ گیا
وہ اپنی ذات کے سفر میں اتنا تھک گیا کہ منزل سے پہلے ہی پٹی کھول کر سو گیا۔۔۔! اور وہ انجمنیں
جنہوں نے ادب کا ٹھیکہ لے رکھا تھا اپنی ٹھیکیداری کے نشے میں اس قدر مخمور تھیں کہ انہیں بات
کرنے کا بھی یارا نہیں تھا۔ اُدھر باقیؔ سہام کے گمنام قبرستان میں کھلے آسمان کے نیچے نمی نم
چاندنی اور صحرائی راتوں کی خنکی میں سو رہا تھا اور اس کے بہت سے جگری دوست قہقہوں ک
گونج میں طبل و علم کے جلوسوں میں شریک ہو کر دوستی اور خلوص کے وجود کو دھکے دے کر اُ
اپنی محفلوں سے نکال رہے تھے۔ لہٰذا باقیؔ چپ تھا اور دوستِ شورِ خیالات میں مست
اس عہد میں ہم غریب اور بے کس ادیبوں نے کہ جن کا معاشرے، ادب، تاریخ، کرس
عہدہ اور سیاست میں کوئی مقام نہیں تھا، صورتِ حال کا جائزہ لیا۔ بہر حا
اس کے احباب اُسے اپنی آنکھ کا سُرمہ بنا کر پلکوں میں چھپائے رکھتے تھے مگر ہمار
ادیب کا موجودہ کردار "طوطے" سے ملتا جلتا ہے۔ اس لئے طوطا چشمی کی داستان نہ د
جائے تو بہتر ہے کہ اس سے واقعات کی یاد تازہ ہونے لگتی ہے۔ البتہ اتنا کہنے دیجئے کہ پنڈ

ہو کہ پشاور، لاہور ہو کہ کراچی باقی صدیقی پوٹھوہاری انگ اور غزل کے منفرد رنگ کی وجہ سے پہچانا جاتا تھا۔ لوگ اُس کے ڈرامے، گیت اور غزلیں سُن کر جھومتے تھے۔ باقؔی کے دوست اُس کے نام کی مالا جپتے تھے۔ مگر اُس کی آنکھیں بجھ گئیں تو اُس کے بڑے بڑے امیر دوست محفلوں کی جان بن گئے۔ (آج کل اُن کے چہرے گلاب اور آنکھیں شراب برسا رہی ہیں)

ہم غریب ادیبوں کے پاس نہ تو سرمایہ تھا نہ اتنا بڑا ذہن کہ ہم یہ سوچتے کہ باقی کے بعد اس کی بزرگ ہمشیرہ کا کیا بنا اور ان کے نجی مسائل کیا ہیں۔ لیکن خیالات کا تانتا ہمیں باقؔی کے مزار پر لے گیا جہاں اُسے پہچاننے والا کوئی نہیں تھا۔ اس ویرانے میں جا کر ہمیں دُکھ ملے اور زخم بھی۔ چنانچہ ہم نے باقؔی کے تین جگری دوستوں افضل پرویز، عزیز ملک اور محبوب اختر کو ایک جگہ جمع کیا۔ جنہوں نے ہمارے سر پہ ہاتھ رکھا اور ہم باقؔی کی یاد میں ایک یادگار شام منا کر سُرخرو ہو گئے۔ واقعی یہ یادگار محفل تھی کیونکہ اس محفل کے صدر محبوب اختر اور مہمانِ خصوصی باقؔی کا جِگری دوست سردار خان تھا۔ سردار خان عوامی رقاص ہے۔ اُس کا ادب کے ساتھ اتنا ہی واسطہ ہے جتنا ہمارا دیسی گھی سے۔ پھر بھی اُس نے تھراتے ہونٹوں اور نم آلودہ آنکھوں سے ایک ادبی جملہ کہا کہ ایک دن باقؔی صاحب نے کہا:

"سرداریا! جب محبّت بڑھ جاتی ہے تو جُدائی کے دن قریب ہو جاتے ہیں ... اور ایک دن باقؔی صاحب مجھ سے جُدا ہو گئے"۔ اس جملے کے بعد سردار خان کے ہونٹ کپکپا کر تالے کی طرح بند ہو گئے۔

اس محفل میں ڈاکٹر ایوب مرزا نے باقؔی کے فن کا تجزیہ جدلیاتی عہد کے تناظر میں کیا تھا۔ جمیلہ شاہین نے باقؔی کی سچّی ستھری باتوں کو تنقیدی نقطۂ نگاہ سے خراجِ پیش کیا۔ جمیل ملک اور افضل پرویز نے خوبصورت مقالوں سے رعنائیاں بکھیر دی تھیں اور شاہدہ پروین نے گیت سُنا کر محفل لوٹ لی تھی۔ اس شام باقؔی زندہ اور ادب پائندہ تھا۔ البتہ جس پیدا

پر اُس نے زندگی بتادی تھی اُس کی آواز مری ہوئی اور سوچ پر غنودگی چھائی ہوئی تھی جسے اہلِ محفل نے محسوس کیا۔ اس محفل میں رائٹرز گلڈ نے بھی وعدے گئے تھے، مگر رائٹرز گلڈ عوامی انجمن نہیں رہی۔ اس کے لئے نوکر شاہی کا ستون ہونا شرط، کسی ریڈیو رسیدہ یا ٹیلیویژن کے نور دیدہ کا ہونا ضروری ہے۔ ادبی تحریک باقی کی یاد منا کر سرگرمِ عمل ہوگئی تو سب سے پہلے ٹیلیویژن کے ساتھ رابطہ قائم کیا گیا۔ کتاب کے لئے ناشرین سے مشورے کئے گئے۔ رائٹرز گلڈ کو لاہور چِٹھی بھجوائی گئی۔ چند سرمایہ داروں کے درِ دولت پر دستک دی گئی۔ مگر نتیجہ ڈھاک کے تین پات ہی نکلا۔ البتہ آغا ناصر کے ساتھ ایک ہی ملاقات میں مشاعرے کی بات طے پاگئی اور پھر ٹی وی کے اربابِ بست وکشاد کے ساتھ معاملات طے کرلئے گئے۔

پنڈی کا ادیب ہو کہ لاہور کا اُسے اپنے ذاتی دُکھوں سے چھٹکارا نہیں۔ مگر ان دنوں پنڈی علم و ادب کا گہوارہ اور حکومت کا مرکز ہے۔ یہاں بڑے بڑے جگادری اور نوکر شاہی ادیب موجود تھے۔ جو نوکر شاہی ادب کو سینے سے لگا کر انقلاب کے نعرے لگاتے تھے اور اُن کی کرسیوں پر پھول نچھاور کرکے نوکریاں پکّی کرتے تھے۔ مگر باقی تو درویش صفت تھا جو دربار سے بہت دُور تھا لہٰذا نوکر شاہی ادیب اُسے نہ دیکھ سکا (یہ الگ بات کہ باقی کی کتابیں محض نمائش کے لئے اُن کی الماریوں کی زینت ہیں)۔ مگر غریب ادیب تو دل کا سخی اور محبّت کا دھنی ہوتا ہے۔ لہٰذا اُس نے ہم ایسے بے یار و مددگار لوگوں کی اپیل پر باقی کی بزرگ ہمشیرہ کی کفالت کے لئے تعاون کرنا منظور کرلیا۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہمیں باقی کے مخلص دوستوں کا تعاون حاصل تھا۔ جیسے حاجی ایوب محسن اور جمیل ملک نے شامل ہوکر مزید تقویت دی اور ہماری ذمہ داریوں میں اضافہ ہوا۔ چنانچہ ہر ماہ باقاعدگی سے محبوب اختر صاحب کے خرچ پر کیفے ایران میں ایک میٹنگ طلب کی جاتی۔ ان میں دو اہم فیصلے کئے گئے:

۱۔ باقی صدیقی کا مزار بنوایا جائے۔

۲۔ باقی کی یاد میں کُل پاکستان مشاعرہ منعقد کیا جائے جسے ٹی وی کی وساطت سے پیش کیا جائے اور پانچ ہزار روپے کی رقم باقی کے ایک جگری دوست کے حوالے کی جائے جسے وہ اپنے کاروبار میں لگا کر باقی کی ہمشیرہ کو ہر ماہ دو صد روپیہ دیں۔

ان اہم فیصلوں میں پنڈی کے ادیب تو بارہا شامل ہوتے رہے مگر ایک اجلاس میں شریف کنجاہی بھی تشریف لائے جس میں باقی کے بقیہ کلام کے انتخاب اور اشاعت کا مسئلہ زیرِ بحث آیا۔

ان فیصلوں کے بعد باقی کی ہمشیرہ کی کفالت کے لئے ادیبوں نے ہر ماہ معقول رقم دی جو محبوب اختر صاحب کے ذریعے باقی کی ہمشیرہ کو ادا کی جاتی رہی۔

اس ضمن میں ہم مندرجہ ذیل باقی پرستوں کے دستِ تعاون کے ممنون ہیں:۔

ڈاکٹر ایوب مرزا۔ ڈاکٹر وزیر آغا۔ اختر ہوشیارپوری۔ پیر صاحب گولڑہ شریف، حکیم محمد سعید (ہمدرد ٹرسٹ)۔ حاجی ایوب محسن۔ محبوب اختر۔ جمیل ملک۔ انور مسعود۔ سیّد ضمیر جعفری۔ احمد ندیم قاسمی۔ افضل پرویز۔ آنسہ زہرہ جبیں۔ عزیز ملک۔ سیّد باقر علیم وحید کھوکھر۔ مسعود قریشی۔ سرور جنیدی۔ عبدالقیوم۔ زہیر کنجاہی۔ فضل اکبر بادر۔ صہبا لکھنوی میسرز عبدالرحمٰن پینٹر۔ رشید نثار۔

باقی کی دوسری برسی کے موقع پر ادبی تحریک نے اہلِ ادب کو حسبِ سابق دعوت دی بلکہ اربابِ ریڈیو کو متوجّہ کیا جنھوں نے باقی کے مزار پہ جا کر فاتحہ خوانی کی اور باقی صدیقی پر پروگرام ترتیب دے کر تمام گلے شکوے دور کر دئے۔ اس سلسلے میں بالخصوص ایم، بی، انصاری صاحب اور اختر امام رضوی قابلِ ذکر ہیں۔ اسی طرح ٹی وی لاہور نے ہماری درخواست پر یادش بخیر میں باقی کی یاد مناکر اہلِ ادب کی لاج رکھ لی۔ اسی کے ساتھ ادبی تحریک نے ٹی وی پہ مشاعرہ برپا کیا۔ اُس دن

عین وقت پر معلوم ہوا کہ جس ہال میں یہ مشاعرہ منعقد ہو رہا ہے ٹی سے ''واپڈا'' ہو گیا ہے۔ اُس شام حاجی افتخار چیف ایڈیٹر 'سنگ' کی طرف سے نیو کامران ہوٹل میں ایک عصرانہ دیا گیا جس میں بے شمار دوستوں نے شرکت کی۔ عصرانے کے بعد مہمانوں کو ٹی، وی سٹیشن جانا پڑا جس کی وجہ سے پشاور سے خاطر غزنوی کو پنڈی آکر واپس جانا پڑا جس کے لئے ہم آج بھی شرمندہ ہیں۔ اس مشاعرہ میں شرکت کے لئے ٹی. وی حکام کی بعض شرائط کو بھی تسلیم کرنا پڑا۔ بہر حال اس مشاعرے میں جن احباب نے شرکت کی اُن کے نام یہ ہیں:

فیض احمد فیض۔ محسن احسان۔ مرتضےٰ برلاس۔ حلیمؔ قریشی۔ ادا جعفری۔ سید ضمیر جعفری۔ احمد فراز۔ ابن الحسن۔ اختر ہوشیار پوری۔ سید فیضی۔ انور مسعود۔ افضل پرویز۔ سلطان رشک۔ جمیل ملک۔ فضل اکبر باور۔ احسن علی خاں۔ احمد ظفر منظور عارف۔ کرم حیدری۔ الطاف پرواز۔ شجاعت علی راہی۔ عون محمد رضوی۔ خالد شریف ارشاد ارشی۔ ظفر اکبر آبادی۔ رخشندہ خان رخشی۔ شمیم اکرام الحق۔ پرتو روہیلہ۔ اعجاز فاروقی۔ رشید نثار۔ نسیم سحر۔ خاور اعجاز آب۔ بشیر سیفی۔

اس مشاعرے کے برپا ہونے کی دیر تھی کہ باقیؔ کے بہت سے دوستوں کو ہم سے یہ شکایت پیدا ہو گئی کہ انہیں مشاعرے میں کیوں نہیں بلایا گیا۔ حالانکہ وہ بھی باقی کے دوستوں میں سے تھے۔ کارکنانِ ادبی تحریک اُن کے اس دعوے پر حیران تھے کہ نہ تو اُنھوں نے باقیؔ کی ہمشیرہ کی کفالت کے لئے کوئی تعاون کیا، نہ ہی وہ کسی محفل میں شریک ہوئے اور نہ ہی اُنھوں نے باقی کی برسی میں شرکت کا ثبوت دیا لیکن چونکہ مشاعرہ ٹی، وی پر تھا اس لئے جلدی دوستوں کو باقیؔ کی یاد آنی ہی تھی ورنہ اس سے پہلے اور بعد وہ کسی دکھ، کبھی سکھ میں شریک نہیں ہوئے۔ ہم نے اس امر کی شکایت باقیؔ کے مزار سے کی تو باقیؔ کے مزار نے کہا:

کہ میرے مزار سے چند میل دور وسیع و عریض سڑک گزرتی ہے۔ جس پر کشادہ جہ

لئے ہوئے میرے جگری دوست موٹروں میں بیٹھ کر فراٹے بھرتے ہوئے گزرتے ہیں۔ کبھی کبھار وہ موٹر میں بیٹھے ہوئے گردن اکڑا کر ترچھی نظروں سے میرا ذکر کرتے ہیں۔ وہ میرے ادب اور فن پر گفتگو کرتے ہوئے مُسکراتے ہیں تو مجھے ان کی مُسکراہٹ ایک طنز، ایک تشنیع اور ایک زخم لگتی ہے۔ کیونکہ میرے تاریک نہاں خانے اُن کے قدموں کی آہٹ سے بیگانہ اور آنکھوں کی روشنی سے نا آشنا ہیں۔ اس کے برعکس باقی کے ان چاہنے والوں نے ہماری دستگیری کی کہ ہم پنڈی صدر سے ٹی وی چک لالہ تک کرسیوں، بروشر کے اخراجات اور مہمانوں کی تواضع کے اخراجات بمشکل پورے کر سکے۔ لیکن بھلا ہو علیم قریشی کا کہ اُس نے ہمیں بروشر میں چھپے ہوئے ایک اشتہار کی رقم پیشگی دلوادی۔ بہر حال اس مشاعرے کے بعد دوسرے مرحلے میں جن اداروں اور کرم فرماؤں نے دستِ تعاون پیش کیا وہ ناقابلِ فراموش ہے۔ اُن اداروں اور کرم فرماؤں کے نام یہ ہیں :-

مولانا کوثر نیازی۔ ظفر اکبر آبادی۔ احسن علی خاں۔ راجہ لال خاں۔ آقائے تسبیحی۔ سیّد ضمیر جعفری۔ عبدالرحیم۔ فتح محمد ملک۔ محمد منشا یاد۔ بیگم ممتاز جمال۔ حاجی ایوب محسن۔ عزیز ملک، نیشنل بنک آف پاکستان۔ یونائیٹڈ بنک آف پاکستان۔ پاکستان ٹیلیویژن کارپوریشن۔ کوہ نور ملز راولپنڈی اور باقی کے ایک گمنام دوست۔

اس کے علاوہ ہمدرد ٹرسٹ کی طرف سے پچیس روپے ماہانہ اور شیخ محمد اسماعیل اینڈ کمپنی لائلپور کی طرف سے پندرہ روپے ماہانہ الگ موصول ہو رہے ہیں۔ مرکزی وزارت تعلیم ڈیڑھ سو روپیہ ماہانہ کی گرانٹ منظور کر چکی ہے۔ ہمارے چند احباب نے وعدے بھی فرمائے تھے جو ابھی تک ایفا نہیں ہوئے

باقی پرستوں کے دستِ تعاون سے اب باقی کی غیر مطبوعہ اور منتخب غزلیں شائع کی جا رہی ہیں۔ یہ مجموعۂ کلام مالی اعانت کرنے والے احباب کی خدمت میں تحفتہً پیش کیا جائے گا۔ لیکن اہل دل کی خدمت میں یہ کتاب ہدیتہً پیش کی جائے گی۔

اور اس رقم کو باقیؔ کی ہمشیرہ کے نام فکسڈ ڈیپازٹ میں جمع کرا دیا جائے گا۔ اس لئے دوستوں سے التماس ہے کہ وہ اس کتاب کو خرید کر پڑھیں۔ اب ہمارے ذمے باقیؔ کے نعتیہ کلام کی اشاعت رہ گئی ہے جسے خدا نے چاہا تو جلد ہی منصۂ شہود پر لایا جائے گا۔

ہم باقیؔ کی دوستی کے دعوے دار نہیں اور نہ ہی کوئی بڑے ادیب اور شاعر ہیں۔ البتہ ہم خدمت کے جذبے سے سرشار ہو کر میدانِ ادب میں آئے ہیں۔ مقام شکر ہے کہ خداوند تعالےٰ نے ہمیں روشن تعبیر کے لئے اچھا جذبہ دیا ہے۔ ہم باقیؔ کے ان دوستوں کے ممنون ہیں جنہوں نے ہمارے سر پہ ہاتھ رکھ کر ہماری حسین آرزوؤں کو زندہ کر دیا ہے۔

رشید نثار
نسیم سحر
بشیر سیفی

خورشید پرنٹرز۔ اسلام آباد